اپریل 1998ء ذوالحج 1418ھ

اللہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اپریل 1998ء ذوالحجہ 1418ھ

قیمت ————— -/10 روپے
سالانہ فنڈ ————— -/100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ Ph: 260734

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

اداریہ

اہل اللہ کی باتیں نہ صرف ایمان افروز ہوتی ہیں بلکہ ان میں حکمت و معرفت کے لازوال خزینے بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہروقت یادالٰہی میں مشغول ہونے کے سبب اللہ والوں کے قلوب صفات باری تعالیٰ سے سیراب رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وصل الٰہی کے مزے بھی لوٹتے ہیں۔ پھر ان اللہ والوں کی باتیں دلوں پر اثر کرتی ہیں حدیث قدسی ہے کہ "میرا بندہ نوافل (ذکر) کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے حتیٰ کہ وہ مجھے محبوب ہو جاتا ہے اور میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے"۔

گویا ایسے مومن کا ہر فعل اور عمل رضائے الٰہی کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے ایسے میں اللہ تعالیٰ اس بندے کے عمل کو بھی اپنا عمل قرار دیتے ہیں۔ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (الانفال۔ 17) (اے حبیب ﷺ لشکر کفار) کو آپ نے نہیں مارا وہ تو میں نے مارا تھا اور مٹھی بھر خاک جو آپ نے ان کی جانب پھینکی درحقیقت میں نے پھینکی تھی" اسی حقیقت کو مولانا رومؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اگرچہ بندہ خدا کی زبان سے بیان کرتا ہے)

برادران اسلام! بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اس صدی کے عظیم محقق، دانشور اور کامل ولی اللہ تھے، جن کی صحبتوں سے ہزاروں فرزندان توحید نے محبت و معرفت الٰہی کے موتی اپنے دامنوں میں سمیٹے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا قیام محض رسمی اور روایتی پیری مریدی کے لئے ہرگز نہیں کیا گیا بلکہ خالصتاً امت رسول ﷺ کی

اصلاح اور تشنگان راہ حق کو " اللہ کے رنگ " میں رنگنے کے لئے کیا گیا ہے۔

ومن احسن من الله صبغته (بقرہ ۔ 138)

" اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے ؟"

آپ ؒ نے اپنی تصنیفات میں قرب باری تعالیٰ اور دیدار الٰہی کے حصول کے طریقے اس قدر آسان اور سہل معنوں میں بیان فرمائے ہیں کہ کوئی بھی راہ حق باسانی ان پہ عمل کر کے اپنی مراد کو پہنچ سکتا ہے۔ وہ بھائی جو حضرت خواجہ ؒ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے ' ان کے ذہنوں میں آپ ؒ کے گراں قدر ارشادات و روحانی نکات موجود ہیں ۔ آپ پہ لازم ہے کہ ان ارشادات و واقعات کو نئے بھائیوں اور اگلی نسلوں کی امانت سمجھتے ہوئے انہیں شیخ سلسلہ محترم محمد صدیق ڈار صاحب کو ارسال فرمائیں تاکہ ان کی مناسب ترتیب و تدوین ہو سکے۔

بانی سلسلہ ؒ کے مکتوبات محترم بھائی خالد مسعود صاحب نے بڑی جانفشانی سے کتابی شکل میں منتقل کر دیے ہیں۔ اگر مجالس بانی سلسلہ ؒ کے واقعات آپ بھائیوں کی وساطت سے ہم تک پہنچ جائیں تو نہ صرف مکتوبات و ملفوظات محفوظ ہو جائیں گے بلکہ شمارہ میں بھی شائع ہونگے ' جس سے سلسلہ توحیدیہ کے مشن سے اوروں کو بھی آگاہی ہو گی ۔ اس وقت ہزاروں لاکھوں لوگ " اللہ کی محبت " کے متلاشی ہیں اور در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے رہے ہیں کیونکہ " اللہ کی محبت " کا جوہر سلسلہ توحیدیہ کے پاس بفضل تعالیٰ موجود ہے ' لہٰذا تمام برادران سلسلہ کا فرض ہے کہ اس جوہر حقیقی کو نوع انسان بالخصوص مسلمانوں پہ ضرور بہ ضرور آشکارا کر دیا جائے۔ اس ضمن میں ہم سبکو مرشد محترم جناب محمد صدیق ڈار صاحب کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنا چاہیے اگر اس ضمن میں ہم نے ذرا سی بھی کوتاہی برتی تو روز محشر اللہ کو کیا جواب دیں گے ؟ میں آپ سے ایک مرتبہ پھر درخواست کرتا ہوں کہ ان ملفوظات کو جلد از جلد روانہ کر دیجئے۔ شکریہ

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرشید وقار

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

ترجمہ:- اور اپنے لباس کو پاک رکھئے (المدثر)

تفسیر:- لباس حق تعالیٰ کی ایک بیش قیمت نعمت ہے۔ جو ستر پوشی اور زیب و زینت کے اظہار کے لئے ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ کے مفہوم میں بڑی وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ اس کا سیدھا سادہ تو ایک مطلب یہ نکلتا ہے کہ اپنے لباس کو پاک صاف رکھئے۔

انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔ ایک پاکیزہ روح گندے جسم اور گندے لباس میں رہ ہی نہیں سکتی۔

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں آج کے نام نہاد مہذب ترین دور میں بھی طہارت کا کوئی تصور تو کیا طہارت کا ہم معنی لفظ بھی نہیں ملتا۔

خداوند کریم نے حضور اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ جس طرح آپ کی زندگی کا مشن پاکیزہ اور مقدس ہے، ایسے ہی آپ کا لباس بھی پاکیزہ اور اجلا ہونا چاہیے۔ جمال ایزدی کو یہ گوارا ہی نہیں کہ آپ کا جسم یا لباس میلا کچیلا یا ناپاک ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب لباس کی پاکیزگی ضروری ہے تو جسم کی پاکیزگی بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کے دامن عصمت پر کوئی داغ نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کا اخلاق بھی پاکیزہ ہونا چاہئے۔ تاکہ کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے اور تبلیغ

دین کے سلسلہ میں لوگوں پر خوش گوار اثرات مرتب ہوں۔ طالبان حق کے متلاشی کسی تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ آپ کی پاک دامنی ان کے لئے ایک نمونہ ہونا چاہئے۔

دیگر مذاہب جن کے اندر راہبانہ تصورات کی چھاپ زیادہ نمایاں ہے۔ ان کے ماننے والے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان جس قدر میلا کچیلا ہوگا اتنا ہی خدا رسیدہ اور مقرب ہوگا۔ اگر کوئی اجلا لباس پہن لے تو وہ دنیادار خیال کیا جاتا ہے اس کا مذہب سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت گندگی سے نفرت کرتی ہے۔

نفاست اور شائستگی اس کی روح کو جلا بخشتی ہے۔ ایک صاف ستھرا انسان ہی پاکیزہ انسان سے مانوس ہو سکتا ہے۔ دعوت حق کے داعی کے لئے باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ ظاہری طہارت بھی ضروری ہے' تاکہ لوگ اس کے پاس بیٹھنا پسند کریں۔ اگر پاس ہی نہ آئیں گے تو بات کیسے سنیں گے۔ جب سنیں گے نہیں تو دین کیسے پھیلے گا ۔ اگر لباس ہی گندہ ہوگا تو پاس کھڑے ہونے والوں کو بھی گھن آئے گا۔

لباس ہی ایک انسان کا دوسرے انسان سے پہلا تعارف ہے۔ لوگ پہلی نگاہ سے ہی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں قسم کے لباس میں ملبوس آدمی کس قسم کا انسان ہو سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ نوابوں' رئیسوں' مذہبی لوگوں' متکبر اور آوارہ منش لوگوں کے لباس الگ الگ ہوتے ہیں۔ کم ظرف اور چھچھورے لوگ بھی ایک خاص وضع قطع کا لباس پہنتے ہیں۔ الغرض ہر قسم کے لباس اپنے پہننے والوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خدا کی طرف بلانے والے کا لباس نہایت نفیس اور باوقار ہونا ضروری ہے تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ ایک مہذب اور شائستہ انسان ہے اور نفس کی کسی برائی میں مبتلا نہیں ہے۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں لباس کے متعلق چند نکات اور بھی ذہن

نشین فرمالیجئے۔ وھو ھذا

انسان کے لئے لباس اتنا ہی کافی ہے جتنا اسے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے پہنایا جاتا ہے۔ نمود و نمائش اور فخر و تکبر کے اظہار کے لئے بیش قیمت لباس نہ صرف ممنوع بلکہ اسراف میں شامل ہے۔ لیکن انسان اگر قدرت کے باوجود از راہ تقویٰ زیب و زینت چھوڑ دے تو اس کے لئے بہتر ہے۔ خدا کے ہاں اس کو دنیاوی جاہ و حشم کے لباس سے بدرجہا عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔ اپنی وضع چھوڑ کر دوسروں کی وضع قطع کا لباس جائز نہیں ورنہ روز حشر ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہود و نصاریٰ کا لباس ننگ انسانیت ہے اور اہل ہوس کی تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لباس باوقار اور سادہ ہونا ضروری ہے۔ لباس کے اندر سے جسم نظر نہ آئے' مرد عورتوں کا اور عورتیں مردوں کا لباس نہ پہنیں' ایسا کرنے والا لعنتی ہے' مردانہ لباس کے اندر ریشم کی آمیزیش خلاف شریعت ہے' حضور اکرم ﷺ نے سفید لباس کو پسند فرمایا ہے اور ترجیح دی ہے۔ پرانا کپڑا اس حالت میں اتارنا چاہئے کہ کسی غریب مسکین کے کام آسکے۔ اگر کوئی انسان افلاس کی وجہ سے پیوند لگالے تو اسے کمتر خیال نہ کرنا چاہئے۔ نیا کپڑا ہمیشہ داہنی طرف سے پہننا سنت ہے۔ اور لباس ہمیشہ حلال آمدنی سے تیار ہونا چاہئے ورنہ عبادت کو کوئی شرف قبولیت حاصل نہ ہو گا۔ جو لوگ زیادہ قیمتی لباس پہنتے ہیں ان کی صحبت سے احتراز بہتر ہے۔ کیونکہ انسان کے دل میں احساس کمتری اور دنیا کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ قناعت جاتی رہے گی اور بے چینی اور مایوسی بڑھے گی۔ اور انسان اپنے مقصد تخلیق سے دور ہوتا چلا جائے گا' اور اسی مقصد سے دوری ہی انسان کی حرماں نصیبی ہے۔

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

من بات تعبانا من طلب الحلال بات مغفوراله واصبح والله راض عنه

(بخاری)

ترجمہ:۔ "جو شخص کسب حلال سے تھک کر رات گذارے' اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور صبح کو اس حال میں اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے"

اسلام محض ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل اور جامع دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ جس میں انسان کی سیاسی' معاشی و معاشرتی زندگی کے تمام پہلو شامل ہیں۔

دین اسلام نے معاشی زندگی کے رہنما اصول مرتب کر کے بنی نوع انسان کے سامنے رکھے تاکہ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوشحال اور بہترین زندگی گذار سکے۔

اسلام معیشت کی ترقی کی ترغیب دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کرتا ہے کہ دولت جائز ذرائع سے حاصل کی جائے' ہر نفع جو حرام ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اسلام اسے دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ رزق حلال کمانے والے پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش ہو گی اور دوسرے تمام ذرائع جو حرام ہیں ان

کا مکمل انسداد کیا جائے گا۔

رسول کریم ﷺ نے کسب حلال کو نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں بھی اکثر مقامات پر معاش کو فضل اللہ کہا گیا ہے۔ دین اسلام نے پوری کائنات کو انسان کے لئے میدان عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ معاش کے حصول کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے۔

اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا

"تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق تلاش نہ کرے"

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابی آئے جو خستہ حال تھے آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے بتایا دو درہم ہیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے محنت کر کے رزق حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ رسول کریم ﷺ نے بیشتر احادیث میں کسب حلال کی اہمیت اجاگر کی ہے

آپ ﷺ نے فرمایا

"جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ اپنے اہل و عیال کی کفالت کرے۔ تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا"

"بہترین عمل حلال روزی کھانا ہے"

"حلال روزی کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا تعالیٰ کی راہ میں بہادری سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے"

یہ احادیث مبارکہ ہر انسان کو معاشی ترقی کرنے کی طرف راغب کرتی ہیں اور اس بات کا تقاضا کرتیں ہیں کہ ان پر عمل کرے۔

اس کے برعکس حرام سے کمائی ہوئی دولت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

"حرام روزی سے پرورش پایا ہوا گوشت اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آگ میں ڈالا جائے"

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ اسلام کا مقصد معاش کی فراوانی نہیں بلکہ اس کا صحیح استعمال ہے۔

دین اسلام کی معیشت بہترین معیشت ہے اگر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرہ معاشی طور پر خوشحال نہ ہو۔

آج ہمارا معاشرہ جس معاشی عدم استحکام کا شکار ہے اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے معاشی اصولوں سے انحراف کیا ہے اور ہر فرد جائز و ناجائز ذرائع سے دولت کمانے میں مصروف ہے جس نے معاشی نظام کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان حقیقی معاشی تعاون، دین اسلام کے وضع کردہ معاشی نظام سے ہی ممکن ہے۔

ارشاداتِ خواجہؒ

(خواجہ محمد امین اختر لون)

پس منظر بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی زندگی میں سلسلہ توحیدیہ کے پندرہ سالانہ اجتماعات منعقد ہوئے۔ صرف تیرھواں اجتماع آستانہ توحیدیہ پر 1974ء میں منعقد ہوا۔ آپؒ نے اپنی علالت کے باعث سالانہ خطبہ خود پڑھنے کی بجائے یہ سعادت سلسلہ کے موجودہ شیخ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کو عطا فرمائی۔ خطبہ کے دوران آپ چند بزرگ بھائیوں کی معیت میں سٹیج پر رونق افروز تھے۔ جب خطبہ پڑھا جا چکا تو عام گفتگو شروع ہو گئی۔ راقم الحروف کے پاس خطبہ اور بات چیت کی مکمل کیسٹ موجود ہے، جس کی مدد سے اپنے ہادی و مرشدؒ کے کچھ ارشادات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اللہ کو کبھی نہ بھولا آپ نے ارشاد فرمایا "میں نے کچھ نہیں کیا۔ نہ کوئی زیادہ عبادت کی، نہ کبھی تہجد کی نماز پڑھی ساری عمر۔ وہ اللہ نے کچھ عرصہ کے لئے مجھے جنگلوں میں رکھا وہ علیحدہ بات ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ میں اللہ کو ساری عمر ایک سیکنڈ بھی کبھی نہیں بھولا۔ نہ راحت میں، نہ تکلیف میں، نہ سوتے میں نہ جاگتے میں، بس یہ کام کیا ہے۔ میں تم لوگوں کو بہت اونچا دیکھنا چاہتا ہوں، تم لوگ ابھی بہت نچلے درجے پر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سب میری طرح ہو جاؤ۔ ہمارے حلقہ میں چند ایک آدمی ہیں جو اسٹینڈرڈ پر آ گئے ہیں، ان سے فیض لیا کرو۔ کورنگی میں ڈار ہے، انور ہے، اصغر ہے، اور وہ ہے بشیر مرزا کا بھائی لالہ عنایت، بڑا بزرگ ہے۔ کورنگی میں انسٹرکٹر تھا تو جتنے پڑھنے کے لئے آئے سب کو رنگ دیا۔

مجھے رشک آتا ہے پھر آپ نے ایک بھائی منشی خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ایک یہ ہے لیکن یہ کسی کو توجہ ہی نہیں دیتا، ہمیں بھی نہیں دیتا۔ تیری بات

سب کو بتا دوں؟ (آپ نے رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے بڑے صاحبزادے جناب حافظ تنویر احمد خاں صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) حافظ صاحب! اس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا کہ مجھے بھی رشک آتا ہے۔ یہ ہر دوسرے تیسرے ماہ فضائیہ کی مشقوں کے لئے باہر جاتے ہیں۔ یہ وہاں رات کو بیٹھا کر اللہ اللہ کر رہا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لائے۔ اس کا سینہ چاک کیا، دل نکالا، اسے دھویا، واپس سینے میں رکھا، اس پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور چلے گئے۔ اس نے یہ واقعہ صرف مجھے ہی بتایا اور کسی کو نہیں بتایا۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ باقی بھائی سوچتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملا، اس لئے میں نے خود ہی منع کر رکھا تھا۔ یہ اس بات کو جانتا ہی نہیں، اوپر کی منزل اس کی ہے ہی نہیں۔ یہ تمہاری (حافظ تنویر احمد صاحب کی) دادی اماں والی بات ہے۔ وہ جب نماز پڑھتی تھیں تو انہیں خانہ کعبہ نظر آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو رسالدار صاحب نے پوچھا، اماں یہ کیا کر رہی تھیں؟ کہنے لگیں بیٹا کہ آج عجیب بات ہوئی، آج نماز میں مجھے خانہ کعبہ نظر ہی نہیں آیا۔ رسالدار صاحب نے کہا کہ کیا تمہیں ہر نماز میں خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے؟ وہ بولیں تو اوروں کو نظر نہیں آتا کیا؟

یعنی وہ سمجھتی تھیں کہ سب کو نماز پڑھتے وقت خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔ اتنا اونچا روحانی مقام حاصل ہونے کے باوجود اس کا احساس ہی نہیں، یہ ہیں جنتی لوگوں کی باتیں"

سکھوں کا ٹائم

بات چیت کے دوران ہی آپؒ نے استفسار فرمایا کہ ٹائم کیا ہوا ہے؟ ایک بھائی نے عرض کیا کہ قبلہ بارہ بجے ہیں۔ حافظ تنویر احمد صاحب (جن کے سر پر لمبے لمبے بال تھے) نے مزاحاً کہہ دیا کہ قبلہ سکھوں کا ٹائم ہو گیا ہے۔ آپ کی حس ظرافت جو پھڑکی تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "اللہ کا شکر ہے کہ میرے سر پر تو بال نہیں ہیں" اس پر محفل میں خوب قہقہہ پڑا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ "آپ کو مجھی پہ چوٹ کرنا تھی"۔ اس پر آپ نے فرمایا: "جو کہے گا وہ سنے گا" جس پر دوبارہ قہقہہ بلند ہوا۔

ترتیب دیں

دین اور مخلوق

الحاج محمد مرتضٰی توحیدی

میں ایک انسان ہوں۔ اس دعویٰ سے مجھے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ اچھا ہوں یا برا ہوں اس کا فیصلہ تو اللہ رب العزت کریں گے۔ میں یہ کہوں کہ بہت اچھا ہوں یا اچھا ہوں اور اللہ رب العزت میرے دعوے کو غلط کر دیں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اور میں یہ کہوں کہ میں بہت برا ہوں اور اللہ رب العزت مجھے معاف کر دے اور یہ کہ تم تو بہت اچھے ہو تو بھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ مالک کل ہے۔ وہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کر دے کوئی اس کو نہیں روک سکتا لیکن ایک چیز غور طلب ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ نے مجھے انسان پیدا کیا اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں انسان ہوں چاہے اچھا ہوں یا برا ہوں۔ اور انسان ہونے کی حیثیت سے میں انسانوں کو اپنی آواز پہنچا سکتا ہوں اور نصیحت کر سکتا ہوں، چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ اس سے میں بھی نہیں گھبراتا۔

میں سچ بات کو سب تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ چاہے وہ یہودی ہو، نصرانی ہو، ہندو ہو، پارسی ہو، دھریہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ وہ صرف ایک میری طرح سے انسان ہو۔ بابا آدم کی اولاد ہو، اور وہ میرا بھائی ہو۔ اور ہر انسان میرا بھائی ہے کیونکہ ہم سب ایک بابا آدم کی اولاد ہیں۔ میں اس الفاظ کے ساتھ بہت زیادہ وسعت محسوس کرتا ہوں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ پوری آدم کی اولاد میرے چھوٹے سے دل کے اندر بس گئی ہے۔ اور میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کیا یہی عالمگیر محبت ہے؟ جس کی تعلیم ہمارے شیخ محترم نے دی ہے۔
میں قربان جاؤں اپنے اللہ پر، اپنے نبی ﷺ پر، قرآن پر اور اپنے شیخ پر۔ اللہ رب العزت میری تمام کوتاہیوں کے باوجود قارئین حضرات کو میری سچی بات پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

میں زندہ ہوں اور اس لئے لکھ رہا ہوں۔ اللہ کی مخلوق میں سے ہوں، لیکن میں خلیفتہ اللہ سے نوازا گیا ہوں اور اشرف المخلوق میں سے ہوں۔ مخلوقات میں سے سب سے

پہلا نمبر میرا ہے اور اس کی عزت اور احترام کے لئے مجھے ویسا ہی ہونا پڑے گا۔ سچ بات کو قبول کرنا پڑے گا اور تمام غلط باتوں سے پرہیز کرنا پڑے گا۔ چاہے اس کی قیمت جان ہی کیوں نہ ہو۔

دین کیا ہے؟ ایک طرز زندگی کا نام ہے، جس سے انسان ترقی کرتا ہوا اپنے سلوک کے تمام مدارج طے کر کے اللہ سے جا ملتا ہے اور دین کو چھوڑ دینے سے وہی انسان، وہی مخلوق کا پہلا نمبر گرتا گرتا دوزخ کی سب سے نچلی تہہ میں چلا جاتا ہے، جبکہ وصال یار کتنا ہی خوبصورت اور نورانی منظر ہے، خوشیوں کا سمندر ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ سمندر کا بھی کوئی کنارہ ہوتا ہے لیکن اس کا تو کوئی کنارہ نہیں ہے اور اس کے برعکس دوزخ کا جو منظر ہے وہ کتنا ہی ہولناک ہے۔ میں سطور کو لکھتے ہوئے کانپ رہا ہوں اور آنسو آنکھ سے ٹپک رہے ہیں، یہ معلوم نہیں کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ یا اللہ معافی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرز زندگی کو دین کہیں گے، جس کو اپنے اوپر لاگو کریں گے اور فلاح پائیں گے۔ تو سنئے! دین اللہ ہی کا ہوتا ہے، جو انبیاء کرام کے ذریعہ انسانوں کو دیا جاتا ہے۔ پہلے انبیاء اکرام اس کو عملی جامہ پہناتے ہیں، پھر اپنی امت سے اسے قبول اور کرنے کے لئے کہتے ہیں اور امت کے لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ جو جتنی کوشش اور خلوص سے نبی کی بات پر عمل کرتے ہیں، اتنی جلدی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تو جتنے نبی آئے وہ قوموں کے لئے آئے، اور ان کی اصلاح کرتے رہے، لیکن ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا رہا۔ لہٰذا جتنے نبی آئے وہ ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے کی آگاہی قوموں کو کرتے گئے، جس سے کسی کو کوئی شک نہ ہو۔ اس طرح ہر نبی کا دین جو اللہ نے دیا وہ آتا رہا اور لوگ اسے قبول کرتے رہے اور انکار بھی کرتے رہے اور ان کی قسمت کا فیصلہ انکی نیت کے ساتھ ہوتا رہا۔

اب مخلوق کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ مخلوق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کو پیدا کیا وہ مخلوق ہے۔ یا یوں کہیں کہ اللہ کے سوا دنیا اور اس کے اردگرد جو کچھ ہے وہ سب مخلوق ہے۔ خالق صرف اور صرف اللہ ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ مخلوق کو زندگی اور

موت دونوں کا مزہ چکھنا ہے اور اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ تمام لوازمات سے بالاتر ہے' وہ خود سے ہے اور اپنے آپ میں محمود ہے۔ وہ تمام مخلوق کی عادات و سکنات سے بالاتر ہے۔ وہ واحد ہے' ایک ہے۔ وہ ساری مخلوق پر ہر لمحہ حاوی ہے۔ وہ کمال والا ہے اور ہر مخلوق پر ہر وقت اس کی نظر ہے' چاہے اس کی جائے پناہ کہیں بھی ہو۔ اور مخلوق کی ایسی باتیں جو خود مخلوق کو معلوم نہیں ہوتیں لیکن اللہ کو معلوم ہے اور اس کی نظر میں ہے' جیسے خیالات' ڈر' خوف' خوشی' احساسات' ضرورت' دوا' بیماری وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہماری تمام چیزوں کو مخلوق سے زیادہ یا یوں کہئے کہ پوری طرح اللہ سمجھتا ہے۔ مخلوق نہیں سمجھ سکتی اور نہ اس کا مکمل ادراک رکھتی ہے۔ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے' مخلوق کو صرف اتنا معلوم ہے جتنا کہ علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے' بس مخلوق اتنا ہی جان سکتی ہے۔ اب مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک انسان اور دوسرے انسان کے علاوہ۔ انسان کے علاوہ جو مخلوق ہے اسے اللہ نے دنیا میں آنے سے پہلے ہی علم دے دیا۔ وہ دنیا میں آتے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جیسے بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی پانی میں تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ اڑنے والے پرندے پیدا ہوتے ہی پر ہلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور زمین پر رینگنے والے جانور پیدا ہوتے ہی زمین پر رینگنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے علاوہ جتنی اور مخلوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے علم و ہنر کے مطابق اپنا اپنا کام بغیر کسی تعلیم اور تربیت کے سرانجام دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کا کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا' لیکن اس کے برعکس انسان جو کچھ کرتا ہے اس کو کرنے سے پہلے سیکھتا ہے پھر کرتا ہے۔ یعنی انسان پر وہ کام جو ساری مخلوق ایک ایک دائرہ میں کرتی ہے انسان اجتماعی طریقہ سے تمام دائرے کو بلکہ اس سے اور کہیں زیادہ اپنی تعلیم' ہنر' تربیت اور حوصلہ سے کرلیتا ہے اور پوری دنیا کی دوسری مخلوق پر حکومت کرتا ہے۔ گویا یہ آخری مخلوق ہے جس کی تخلیق کی گئی اور اسی مخلوق کو اپنے کئے کا حساب دینا ہے اور اسی مخلوق کی اصلاح و تعلیم و تربیت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اکرام واجمعین بھیجے گئے۔ مگر انسانیت نے کسی بھی نبی کے اجتماعی طور پہ احکامات پہ عمل نہ کیا جس کی وجہ سے دنیا میں فساد ہوئے بس یہی وقت اور موقع ہے جہاں انسان کی صحیح رہنمائی کے لئے انبیاء اکرام بھیجے گئے۔ اور

اس میں کئی کو مانا گیا اور کئی کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والے انسانوں میں یہودیوں کا نام سرفہرست تھے۔ جب کبھی کوئی نبی آیا تو اس بات پر کچھ لوگوں نے لبیک کہا، باقی انکار کرتے رہے، لیکن انبیاء اکرام کا آنا متواتر جاری رہا خصوصاً" اس وقت میں جب انسان نے اللہ کے ساتھ اور معبود بنا لئے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے کبھی قبول نہیں کیا اور ان لوگوں کے لئے کوئی نہ کوئی نبی ضرور بھیج دیا کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور اصلاح اس لئے کہ دنیا میں امن قائم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت ہی عزیز ہے۔ یعنی یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ماں باپ کی محبت سے بھی ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ تو وہ اللہ کیسے پسند کرے گا کہ اس کی مخلوق کی ذرا بھی تکلیف ہو۔ جب ماں باپ اپنی اولاد کو خوش رکھنے کے کیسے کیسے جتن نہیں کرتے اور یہی ایک نقطہ اتنا وسیع اور قوی ہے کہ ہر انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا اور اسی وجہ سے انسان کی رہنمائی اور روشنی کے لئے آسمانی کتابیں نازل کیں اور انبیاء اکرام کو دنیا میں بھیجا جو اس کی مخلوق میں سے ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی محمد ﷺ، ابتدائی نبی اور آخری نبی کے درمیان ایک بہت بڑی مسافت ہے۔ اللہ اللہ ہی رہے گا اور اپنے آپ کو اپنی مخلوق سے بھی منوانا چاہتا ہے اور منوا لیتا ہے، ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اللہ منوا لیتا ہے۔ جب چاہے منوا لے اور دوسرا معاملہ جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی حفاظت اور سکون ہے۔ اس کی ضرورت کو تو اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے مواقع بھی پیدا کر چکا ہے لیکن تمام مخلوق کو سکون، امن، راحت اور خوش زندگی گذارنے کا موقع تو مخلوق ہی اپنے اخلاق سے فراہم کر سکتی ہے اور اسی کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اتنے انبیاء اکرام بھیجے ہیں جو تمام پہلوؤں کو روشنی دیکر ایک ایسی مثال بن جاتا ہے جو جنت کا نمونہ ہو (جاری ہے)

خواہشات کی آگ

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

آج دنیا کی ساری ریاستیں اور حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے۔ اے دانایان فرنگ! یہ اصلاح و تسکین کا راستہ نہیں ہے۔ یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے۔ خواہشات کا حال یہ ہے کہ وہ تو لامتناہی ہیں اور دنیا کا حال یہ ہے کہ وہ محدود و مختصر ہے اور کروڑوں انسانوں میں مشترک ہیں، واقعات کی دنیا میں آکر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہاں کسی بوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہو سکتی۔ یہاں نفس کی تسکین کا خواہش مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک،
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے بڑے راہنما یہ کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں اور سب کو پورا ہونا چاہئے۔ اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہو گا۔ یہ تو سمندر کا پانی ہے، جس قدر اس سے پیاس بجھایئے گا پیاس بھڑکے گی۔ آج ساری دنیا میں حکومتیں، ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کر رہی ہیں کہ انسانوں کی صحیح و غلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے۔ قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ بھی مانگیں ان کو دیا جائے، اس سے سکون پیدا ہو گا، امن قائم ہو گا۔ لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے۔ آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی کسی سے بجھتی نہیں۔ خواہشات کا ایک الاؤ جل رہا ہے اور اس پر ہر قوم ایندھن ڈالتی چلی جا رہی اور اس کو ہوا دے رہی ہے۔ آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں = آج "وقودھا الناس والحجارہ" (اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) کا منظر نظر آ رہا ہے۔

لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ آگ کس نے جلائی' یہ الاؤ کس نے روشن کیا' اس پر تیل کس نے چھڑکا' اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے۔ خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح و تسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں' اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے بلکہ اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں۔ ان کا بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو اسے ہرگز کھیلنے نہیں دیتے' لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں جو وہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انکو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں۔ یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں' ان کو خوش رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہر صحیح اور غلط خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں۔ آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں اور کسی شخص میں یہ اخلاقی جرات نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیشات پر تنقید کرے' لہو و لعب کے بڑھتے ہوئے شوق اور انہماک پر اعترض کرے۔ آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کرے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا راستہ بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کی بجائے خواہشات کو لگام دی۔ انہوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اسکا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے۔ انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا۔ اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا' تمہاری درس گاہوں' تمہاری تجربہ گاہوں اور تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا۔ انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا لیکن انسان کو پاک ضمیر نہیں دیا۔ تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دئے۔ بچوں کو ہتھیار تو دے دئے لیکن انکی تربیت نہیں کی۔ آج وہ نادان بچے شوخیاں کر رہے ہیں اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں لیکن

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے۔ خواہشات میں توازن اور

اعتدال پیدا کیا۔ نفسانی خواہشات کی بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا۔ انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا۔ آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے لیکن یقین نہیں ہے۔ آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے۔ آج دنیا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے۔ انسانیت کی خدمت کون کرے؟

اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی رضا کا یقین اور اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے۔ انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور، حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں۔ آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہم لوگوں میں یہی جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں۔ انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں۔ آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے۔ دراصل یہ بات نئی نہیں بلکہ دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قوم میں آئے یہی پیغام لائے تھے۔ اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی۔ یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے۔ لوگ پیٹ کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے۔ ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا۔ اگرچہ دنیا اس صدا سے نامانوس ہے مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں۔ انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے۔ یہ ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا بلکہ اس پر گردو غبار آگیا ہے، اگر وہ گردو غبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرلے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو

ماخوذ از کتاب "تعمیر انسانیت" انتخاب:۔ شیخ محمد اسلم

ملفوظات بانی سلسلہ

مسلمانوں کی اسباب زوال

اسباب زوال ملت جن وجوہات سے ہوئیں ان مین دنیا سے نفرت کرنا بھی شامل تھا اس کے علاوہ ہمارے "علمائے دنیا" اور ہمارے "ادیب اور شاعر" بھی اس زوال کا سبب بنے حضرت خواجہ عبدالحکیم نے وہ وجوہات اپنی تصنیف "تعمیر ملت" میں اسطرح بیان فرمائی ہیں

ہمارے علمائے دنیا

علمائے دنیا سے ہماری مراد ماڈرن تعلیم یافتہ گریجویٹ اور ڈاکٹرز وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ علمائے دین کے مقابلہ میں بیرونی دنیا کے حالات خصوصا" ان قوتوں سے بہت زیادہ واقف ہیں جو ہمارے معیشتی اور معاشرتی معاملات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے بہت زیادہ اصحاب دینی نظریات و حقائق سے قطعا" بے بہرہ ہیں اور ہمارے قومی امراض کا علاج نہیں کرسکتے۔ دنیاوی لحاظ سے بھی یہ ابھی تک اس قابل نہیں کہ مفید اختراعات اور ایجادات کے ذریعہ ہی اپنی قوم کو دوسری قوموں کے برابر لا کھڑا کریں۔ ان حضرات کی زیادہ تعداد سرکاری دفاتر میں مصروف کار ہے۔ "مصروف کار" شاید صحیح لفظ نہیں "مصروف کارزار" کہاجائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ ان کی لیاقت اور وسیع الخیالی سے امید تھی کہ یہ حکومت کے دفتری ماحول کو زیادہ خوشگوار بنا کر گورنمنٹ کے کام کو آسانی سے چلانے میں مدد دیں گے اور دفاتر میں اسلامی یکجہتی ' محبت و اخوت ' مساوات ' انصاف ' تعاون ' خدمت خلق اور قوت عمل کے روح پرور جذبات پیدا کر کے عوام کو اپنی حکومت کا والہ و شیدا اور سچا خیر خواہ بنائیں گے۔ لیکن حیف صد حیف کہ ان حضرات کی بھاری اکثریت باوجود اس قدر تعلیم یافتہ اور "روشن خیال" ہونے کے دفاتر میں اقرباپروری، علاقائی منافرت، اور

صوبائی تعصب کی آگ بھڑکا کر وہاں کے ماحول کو گندہ سے گندہ تر بنانے میں منہمک ہے اور قوم کو طاقتور بنانے کی بجائے اور کمزور کر رہی ہے۔ ان ماڈرن تعلیم یافتہ حضرات میں سے جو لوگ کالجوں اور سکولوں میں معلموں کے فرائض انجام دیتے ہیں، بڑا کام کر سکتے ہیں۔ آئندہ آنے والی نسلوں کا کردار اسلامی اور قومی سانچے میں ڈھالنے والے یہی لوگ ہیں۔ اگر یہ چاہیں تو پچیس تیس برس میں سارے ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ بچوں میں صحیح اسلامی اخلاق، اخوت و محبت، شجاعت اور اسلام و وطن پر مرمٹنے کا جذبہ پیدا کرنا ان معلمین کے لئے جس قدر آسان ہے کسی اور کے لئے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو محسوس کر کے ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

ہمارے ادیب اور شاعر

علماء اور معلمین کے بعد قومی کردار کی تعمیر و ترقی میں سب سے بڑا حصہ ادیبوں اور شعراء کا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اردو ادب اور شاعری کی بنیاد ہی اس وقت پڑی جب ہمارا تنزل تخریب کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ چکا تھا۔ اس لئے اس زمانہ کی نثر و نظم کے تمام ذخائر سے قنوطیت، بے عملی اور بازاری عشق بازی کے سوا اور کسی قسم کی تعلیم نہیں ملتی۔ الف لیلے، فسانہ عجائب، آرائش محفل، گل بکاؤلی اور طلسم ہوشربا وغیرہ۔ اور اس زمانے کے شعراء کا کلام پڑھنے کے بعد ذہن میں اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ کیمیا بنانی آجائے، کوئی خزانہ یا پارس پتھر مل جائے یا دست غیب کا کوئی عمل ہاتھ لگے۔ یہ نہیں تو کوئی جن پری یا ہمزاد ہی تابع ہو جائے جو سونے چاندی کے ڈھیر لگا کر قدموں میں ڈال دے اور جب یہ دولت لازوال حاصل ہو جائے تو اس کو عیاشی اور اوباشی میں خرچ کر کے خوب لطف زندگی اٹھایا جائے۔ لیکن یہ حالت ہمیشہ نہ رہی، انیسویں صدی کے آخری ربع میں سنجیدہ قسم کے ادب کی بنیاد پڑی اور ایسے ادیب اور شعراء پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی اخلاق کی تعلیم دے کر قوم کو صحیح معنوں

میں مسلمان بنانا چاہا۔ ان لوگوں کا بہت کافی اثر ہوا، لیکن افسوس کہ ان کی تعداد کم تھی اور وہ قوم کو من حیث الکل بیدار نہ کر سکے۔ آج بھی ہمارے ادیبوں اور شاعروں میں ایسے لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے جو اعلیٰ اور مفید قسم کا لٹریچر پیدا کر رہے ہیں اور ہمارے اسلامی اخلاق کو ابھارنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قوم کی عام جہالت، پستی اخلاق اور بد مذاقی کی وجہ سے اچھا لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اور جو لوگ ادنیٰ اور معمولی قسم کی کتابیں، ناول، افسانے، تمثیلیں وغیرہ لکھتے ہیں وہ بہت جلد کثیر مالی منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اس سے ہمارے اچھے ادیبوں کو ہمت نہ ہارنی چاہئے اور ایک اسلامی و قومی فرض سمجھ کر اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔ وہ وقت دور نہیں جب ان کو بھی اپنے ایثار و خدمت کا کافی سے زیادہ معاوضہ مل جائے گا۔ ادنیٰ قسم کے لکھنے والے بھی اگر خدا سے ڈریں تو اپنی تصانیف میں کوئی نہ کوئی پہلو ایسا رکھ سکتے ہیں جس سے اخلاق اسلامی کی تبلیغ ہو سکے۔ فلم ساز کمپنیاں اس لحاظ سے بہت قابل قدر خدمت کر سکتی ہیں، لیکن اب تک بہت ہی کم ایسے فلم بنائے گئے ہیں جن سے اخلاق، اخوت و محبت اور قوم پروری کے جذبات پروان چڑھ سکتے ہیں، یہ کرنے کا کام ہے، فلم ساز کمپنیوں کو بہت جلد اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔

مرتب

ایم محمد طالب

قربانی کی تاریخ اور فضیلت

حافظ محمد یاسین

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآن پاک میں بھی اس قربانی کا ذکر ہے۔

ترجمہ:۔ "اور ان کو آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھاک سنا دیجئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی"۔ (المائدہ: 27)

دراصل ایک نے جس کا نام "ہابیل" تھا دل کی آمادگی سے رضائے الٰہی کی خاطر بہترین دنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام "قابیل" تھا بے دلی سے ناکارہ غلے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا، ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہیں جلایا اور یہ مقبول نہ ہونے کی علامت تھی۔

قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام الٰہی شریعتوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے اور ہر امت کے نظام عبادت میں اسے ایک لازمی جز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔(الحج آیت 34)

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظام عبادت میں موجود رہی ہے، البتہ مختلف زمانوں، قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے حالات کے پیش نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جدا جدا رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لئے کی جائے اور اسی کا نام لے کر کی جائے۔

فاذکروا اسم اللہ علیھا "پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو" جانوروں پر اللہ ہی کا نام لینا بڑا بلیغ انداز بیان ہے یعنی ان کو ذبح کرو تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرو اور اسی کے نام پر اسی کی رضا کے لئے ذبح کرو، وہی ہے جس نے تمہارے لئے یہ جانور مہیا کئے ہیں، وہی ہے جس نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ان میں گوناگوں فائدے رکھے ہیں۔

قربانی ایک عظیم یادگار

اس وقت دنیا کے ہر ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبح عظیم کا جو منظر پیش کرتے ہیں وہ دراصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم قربانی کے واقعے کو پیش کر کے اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے۔

قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ پہ سب قربان ہونا چاہئے۔

یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیش کش ہے کہ اس کا اشارہ ہو گا، تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے، اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام ایمان، اسلام اور احسان ہے۔

قربانی کا حکم ساری امت کے لئے ہے

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے، لیکن رحیم و کریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکے سے دور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں، قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے، اور سارے ہی ذی حیثیت مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور یہ حقیقت احادیث رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی شہادت ہے کہ "نبی ﷺ دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور برابر ہر سال قربانی کرتے رہے"۔

قربانی کی روح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں۔ اس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ قربانی 'گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہے۔ قربانی کرنے والا صرف جانوروں کے گلے پر چھری ہی نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے 'اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے 'وہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے 'جس میں گوشت پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی روح ہے۔ خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی قیمت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں' خدا کے ہاں وہی مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہر گز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج آیت 27)

قربانی کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر ذکر کرتے ہوئے فرمایا

(1) خدا کے نزدیک دسویں ذوالحجہ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں' بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہو گا۔

اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔

(2) صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس میں

ہمارے لئے کیا اجر و ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا ہر ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی، صحابہ نے کہا اور اون کے بدلے یا رسول اللہ ﷺ، فرمایا ہاں اون کے ہر ہر رویں کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی۔

(3) حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراؓ سے فرمایا، فاطمہ اٹھو آؤ اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لئے کہ اس کا جو قطرہ بھی زمین پر گرے گا، اس کے بدلے میں خدا تمہارے پچھلے گناہ بخش دے گا، حضرت فاطمہؓ نے پوچھا، یہ خوشخبری ہم اہل بیت ہی کے لئے مخصوص ہے یا ساری امت کے لئے؟ ارشاد فرمایا ہمارے اہل بیت کے لئے بھی ہے اور ساری امت کے لئے بھی۔

(4) حضرت ابن بریدہؓ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن بغیر کچھ تناول فرمائے نماز کو نہیں جاتے تھے اور عید الاضحی کے دن نماز عید پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے، اور جب واپس تشریف لاتے تو قربانی کے جانور کی کلیجی پہلے تناول فرماتے تھے۔

قربانی کا طریقہ اور دعا

جانور ذبح کرنے کے لئے اس طرح لٹایا جائے کہ اس کا رخ قبلہ کی جانب رہے، اور چھری خوب تیز کرلی جائے، جہاں تک ہو اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے اور کسی وجہ سے ذبح نہ کرسکے تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہے۔

ذبح کرتے وقت پہلے یہ دعا پڑھے

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض علی ملت ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین ○ لا شریک له وبذلک امرت وانا من المسلمین اللهم لک ومنک۔

ترجمہ:۔ میں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ٹھیک اس خدا کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک

کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں، بلا شبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب رب العلمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اس کا حکم ملا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اے اللہ یہ تیرے ہی حضور پیش ہے اور یہ تیرا ہی دیا ہوا ہے۔

پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے، ذبح کرنے کے بعد یہ کہے۔

اللھم تقبلہ من کما تقبلت من حبیبک محمد وخلیلک ابراھیم علیھما الصلوہ والسلام۔

ترجمہ :۔ اے اللہ تو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمائی دونوں پر درود و سلام ہو۔

(ا) اگر کسی اور کی جانب سے ذبح کر رہا ہو تو "منی" کہنے کے بجائے "من" کے بعد اس کا نام لے، اگر ایک شخص ہو تو ایک کا نام لے اور چند ہوں تو چند کا نام لے۔

قربانی کے احکام و مسائل

1:۔ قربانی کرنے والے کے لئے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور اور نہ ناخن کتروائے، پھر جب قربانی کا جانور ذبح کرلے تو بال اور ناخن وغیرہ کاٹے۔ یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے، خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرلے" مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اضحیٰ کے دن (یعنی 10 ذوالحجہ کو) عید مناؤں۔ اللہ نے اس بات کو امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے، ایک شخص

نے پوچھا ' یا رسول اللہ ﷺ ! یہ بتائیں اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لئے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں ؟ ارشاد فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو ' بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوا لینا ' اپنے ناخن کٹوا لینا ' اپنی موچھیں کتروا کر درست کرا لینا ' اور زیر ناف کے بال صاف کر لینا ' بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی "۔

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

(1) قربانی کے جانور یہ ہیں ۔ اونٹ ' اونٹنی ' دنبہ ' بکرا ' بکری ' گائے ' بیل ' بھینس ' بھینسا۔ ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

(2) گائے ' بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں ' سات سے زائد نہیں ' مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں ' پہلی یہ ہے کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو ' محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک 1/7 ہو ' اس سے کم کا حصہ دار نہ ہو ۔ ان دو شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہو گی۔

(3) گائے ' بھینس ' اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں ' مثلاً کوئی دو ' چار ' یا کم و بیش حصے لے ' مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہو گی۔

(4) گائے ' بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کر کے قربانی کر لی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے ' جن لوگوں کے حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں ' یہ نہیں کہ از خود حصے تجویز کر کے قربانی تو پہلے کر لی جائے اور حصے داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

(5) بکرا ' بکری ' دنبہ ' بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں اور گائے ' بھینس پورے دو سال کے ہو جائیں اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے اس

سے کم مدت درست نہیں۔

(6) اندھے 'کانے جانور کی قربانی درست نہیں اور اس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو۔ ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی درست ہے۔

(7) گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی ذبح کر لینا چاہیئے۔

(8) جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے اس کی قربانی درست ہے

قربانی کا حکم

(1) کسی شخص پر قربانی شرعاً" واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا' تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔

(2) ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکا' اگر اس نے بکری وغیرہ خریدی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ خیرات کر دے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کر دے۔

(3) کسی نے منت اور نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کروں گا پھر خدا کے فضل و کرم سے وہ کام ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو گئی اور نذر کی قربانی کا حکم ہے کہ اس کا سارا گوشت خیرات کر دے نہ خود کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے' بلکہ سارا گوشت غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دے۔

قربانی کا وقت اور ایام

(1) عید الاضحی یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے' لیکن قربانی کا سب سے افضل دن عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر

گیارھویں اور پھر بارھویں تاریخ۔

(2) شہر اور قصبات کے باشندے کے لئے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔ البتہ دیہات کے باشندے نماز فجر کے بعد بھی قربانی کرسکتے ہیں۔

(3) شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرا رہے ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد ہو سکتی ہے اور اگر وہاں سے نماز عید سے پہلے ہی گوشت آجائے، تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

(4) ایام قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروب تک جس وقت چاہے قربانی کرسکتے ہیں، دن میں بھی اور رات میں بھی لیکن بہتر ہے قربانی دن ہی کو کی جائے۔

(5) قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوشحال ہونا۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوشحال ہے تو اس پر قربانی واجب ہو گئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

(1) قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے ادا کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لئے کافی ہے البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

(2) اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے خود ذبح نہ کرسکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے، اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے۔

(3) گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم

اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو حساب سے دیں۔

(4) قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لئے رکھ لیں۔

(5) گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کی بجائے سب ایک ساتھ ہی مساکین کو تقسیم کر سکتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہیں تو بھی جائز ہے۔

(6) قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت، کھال یا رسی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ جانور کی رسی کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہئے۔

(7) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دینا جائز ہے لیکن اجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

مردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد و حساب اجر و انعام پانے کے لئے اپنے بزرگوں یعنی مردہ ماں باپ، دادا دادی اور دوسرے رشتے داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے، اور اپنے محسن اعظم (ﷺ) جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے ان کی طرف سے قربانی، مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات یعنی اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

(ماخوذ از آسان فقہ) محمد یوسف اصلاحی

وقت کا سائنسی پہلو

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی)

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنته مما تعدون ○ ذلک علم الغیب والشهادہ العزیز الرحیم ○ (السجدہ:۔ ۳۲)

ترجمہ:۔ "وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس تدبیر کی روداد اوپر اس کے حضور جاتی ہے، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے، وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا زبردست اور رحیم"

تعرج الملکته والروح الیه فی یوم کان مقداره خمسین الف سنته ○ (المعارج)

ترجمہ:۔ ملائکہ اور روح اس کے حضور (عرش اعظم پر) حاضر ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار 50 ہزار سال ہے۔" (المعارج آیت 4)

وقت کا سائنسی پہلو

یہ آیات جو قرآن کے تناظر میں وقت کے متعلق حقیقت کا بیان کرتی ہیں، ان میں کئی کئی معانی کی تہیں ہیں۔ ان کی ایک حقیقت کا ایک ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ آیات جن کا ادراک دور جدید کے علم فزکس کی رو سے بھی بے حد مشکل ہے۔ چہ جائے کہ چودہ صدیاں قبل کے علم طبیعیات (فزکس) کی رو سے ان کو سمجھا جاتا، دراصل یہ اپنی تشریح خود ہی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

جیسا کہ فزکس سے متعلق تمام آیات کے بارے میں ہے، آیئے پہلے ان پیغامات کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ان آیات کے ذریعے ہم تک پہنچائی جا رہی ہیں۔

1:۔ سورۃ المعارج (70) کی آیت نمبر 4 میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ

روحیں اور فرشتے اتنا سفر اس ایک دن میں کرتے ہیں جس کا شمار دنیا کے پیمانے سے پچاس ہزار سالوں پر محیط ہے۔ یہاں دو اہم پیغامات ملتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کا ایک "دن" ہمارے دنوں کے 000'50x365 = 50000'82'1 دنوں کے مساوی ہے۔ جس کو "C" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور 000'300 = C کلومیٹر فی سیکنڈ۔ اگر ایک خط میں منظم (LINEAR) تشریح ممکن ہو تو اس سے مراد یہ ہو گا کہ فرشتوں اور روحوں کی آخری رفتار یہ ہو گی۔

دوسرا پیغام یہ ہے کہ وقت کا نظریہ نسبتی طور (RELATIVE) ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل تک وقت کا مطلب ہاتھ یا جیبی گھڑی سے وقت کا پتہ لگانا تھا۔ لیکن یہ آیت مبارکہ ظاہر کرتی ہے کہ وقت، مختلف موجودات کے لئے مختلف طرح کی لچکداری کا حامل ہوتا ہے۔ تفاسیر لکھنے والے علماء کی اکثریت نے ان آیات کا مفہوم یہ لیا ہے کہ اللہ کی مرضی اور واپسی ایک دن میں ہوتی ہے اور وہ ایک دن ہمارے ہزاروں سالوں کے برابر ہے۔

2:۔ سورۃ السجدۃ کی آیات 5 اور 6 جن کی تشریح خاصی مشکل ہے یہ ایک دوسری طرح کی پیغام کی حامل ہیں۔ جس نظریے کی یہاں بات ہو رہی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر وقت بے حد آہستہ طریقہ سے گزرتا ہے، ان دونوں آیات میں اور سورۃ المعارج کی آیت نمبر4 میں بڑے صاف طریقہ سے زور دے کر انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ کرہ ارض پر وقت کی موجودگی بے حد سست طریق پر ہے۔

(ب) آیت نمبر6 (سورۃ السجدہ) وقت کی اس قدر سست رفتاری کا اظہار اس طرح کرتی ہے کہ "وہی (اللہ) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے"۔

چنانچہ وقت کا ایک پھیلاؤ (سستی) سے گزرنے کی رفتار نموداری اور غیر نموداری سے منسلک ہے۔ اس مقام پر میں وضاحت کروں گا کہ کس طرح یہ بصیرت علم طبیعیات (فزکس) کے ایک نئے قانون کو ظاہر کرتی۔

(ج) اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے

کہ دنیا کے بنانے میں دنوں کا مطلب ہمارے کیلنڈر والے دن قطعی نہیں ہیں جن کا ہمارے روز مرہ کے معاملات سے تعلق ہوتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ دنیا کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن اس حقیقت کو پوری طرح عیاں کر دیتا ہے کہ یہاں لفظ "دن" کا مفہوم ہمارے روز مرہ کے استعمال والے دن سے کہیں زیادہ مختلف ہے۔

3:۔ جب دونوں سورتوں کی آیات کو مد نظر رکھا جائے تو ہم حسب ذیل سائنسی پیغام حاصل کر سکتے ہیں۔

(الف) روحیں اور فرشتے نہ نظر آنے والی مخلوق ہیں۔ اس لئے کہ ان کی رفتار ان تمام مادی اشیاء کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہیں جنہیں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

(ب) کائنات کے مختلف مقامات پر وقت کے گزرنے کی رفتار بھی مختلف ہوتی ہے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ چیز منعکس ہو کر اسی اللہ کی طرف واپس پہنچتی ہے۔

(د) چیزوں اور مخلوقات کا نظر آنا دراصل رفتار سے متعلق ہے۔ زمین پر جہاں وقت کی ست روی والی رفتار ہی دیکھی یا محسوس کی جاتی ہے، کسی چیز کے نظر آنے کی حد روشنی کی رفتار (VELOCITY) پر منحصر ہے۔ (سورۃ 32 آیت نمبر 6)

آیئے اب دیکھیں کہ ان ابتدائی حقائق کے علمی تناظر میں جدید علم طبیعیات کے وقت، رفتار اور مادی نظاروں کے متعلق کیا خیالات یا تصورات ہیں۔

آئن سٹائن اور لورنز (LORENTZ) نے بنیادی طبیعیات کے قوانین کے تحت ہمارے شعور میں آنے والی چیزوں کی رفتار کا تعین تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کیا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں کچھ مادہ پرست لوگوں نے کائنات کی آخری حدود کا تعین کرنے کی کوششیں کی ہیں مگر ڈیراک (DIRAC) اور ہائزن برگ (HEISENBERG) نے حدوں کی نشاندہی کے اس کھیل کو روک دیا ہے۔

مادہ (MATTER) کی رفتار پر پابندی یا قدغن اس وجہ سے ہوئی کہ ہر اس چیز کا حجم بے تحاشا بڑھنا شروع ہو جاتا ہے جب اس کی رفتار روشنی کی رفتار کے قریب قریب پہنچتی ہے۔ بہر حال کولمبیا یونیورسٹی کے فزکس کے پروفیسر جیرالڈ فائنبرگ (FEINBRG) نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ رفتار کی یہ حد جو کائنات میں چیزوں (MATTER) سے متعلق ہوتی ہے درحقیقت مزید بڑھائی جا سکتی ہے۔ کائناتی طبیعیات میں تحقیقات نے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن کی رو سے ایسی مادی چیزیں سامنے آئی ہیں، جن کی توانائیاں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور ایسی توانائیاں سامنے آتی ہیں جن کا مادہ ختم ہو چکا ہے۔ پروفیسر فائنبرگ نے ریاضیاتی اکائیوں کی مدد سے یہ نظریہ ثابت کیا ہے کہ ایسی شعاعیں بھی موجود ہیں جو ہمارے مادہ سے متعلق تصورات کے تابع نہیں ہوتیں۔ ان شعاعوں کو ٹکیان (TACKYON) کا نام دیا گیا ہے۔ چونکہ ان شعاعوں کی رفتار معلوم حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، اس لئے انہیں عام مادہ (MATTER) نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ان کی رفتار میں کمی ہو جائے تو یہ کمیت یا حجم کی حامل ہو جائیں گی اور مادی شکل میں واپس آ جائیں گی اور اس طرح مشاہدہ کرنے والوں کو نظر آنا شروع ہو جائیں گی۔ اسی طرح وہ ذرے جو مادی ذرائع تحقیق کے تناظر میں اس رفتار سے حرکت کرتے ہیں کہ ان کی رفتار روشنی کی رفتار سے بڑھ جائے تو وہ پروٹون (PROTONS) کے پھوٹ نکلنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس عجوبے کو اس کے دریافت کرنے والے کے نام کی مطابقت سے "سیرنیکوا شعاع کا اخراج" (CERENKOVRADIATION) کا نام دیا گیا ہے۔

اگر روشنی کی رفتار کو "C" شمار کر لیا جائے تو ان شعاعوں کی رفتار کی حرکت کی شرح (VELOCITY) مثال کے طور پر 2C یا 10C ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے وقت مقابلتاً اسی قدر پھیل (DILATE) جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ کائناتی شعاعوں پر تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کی مختلف علاقوں میں وقت کے بہاؤ یا گزرنے کی رفتار تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یا تو یہ کم ہو جاتی ہے یا بڑھ جاتی ہے

۔ جیسا علاقہ (REGION) ہو۔

ٹکیاں شعاؤں کی موجودگی دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ نکتے کی طرح (POINTLIKE) ہوتا ہے جہاں یہ شعاع' مادی فضا میں نمودار ہوتی ہے اور متعدد نکتے ایک لائن پر ٹنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے طریقے میں یہ ایک مکمل پیچیدہ سطح پر پھیلی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ فطری آمد قرآن میں مذکورہ فرشتوں کے تصور سے مختلف نہیں ہے۔ فرشتوں کا نظر نہ آنا یقیناً" ان کی لامحدود رفتار کے باعث ہی ہو گا۔ در حقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اسی امر کی کھلے طور پر تشریح کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

آیئے اب ہم علم طبیعیات کے انتہائی جدید نظریات کی روشنی میں ان آیات کریمہ میں موجود پیغامات کا مطالعہ کریں اور قرآن کے سائنسی معجزات کا اللہ جل شانہ' کی تعریف کے ساتھ مشاہدہ کریں۔

1:۔ یہ آیات کیا بتاتی ہیں؟

فرشتے نظر نہیں آسکتے۔ ان کی رفتار (VELOCITY) مادی رفتار کے لحاظ سے غالباً" اس طرح ہو گی Cn=18250,000C۔ وقت جو ہماری مادی دنیا میں آہستہ اور سست روی سے بہتا ہے ان (فرشتوں) کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

سائنس کیا کہتی ہے؟

موجودات جن کی رفتار تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے' نظر نہیں آسکتیں۔ وقت کا عام بہاؤ یا گزرنا ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور یہ رفتار بجائے خود کائنات میں ہر جگہ مختلف ہوتی ہے۔

یہ سائنسی طور پر تسلیم شدہ بات اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ فرشتے اور روحیں فضائی حد بندی سے بالاتر ہیں۔

2:۔ آیات کیا بتاتی ہیں؟

" اللہ کی مرضی نظر نہ آنے والی توانائیوں کی ناقابل یقین رفتاروں سے ظاہر

ہوتی ہے۔ اور ان کے واپس آنے میں ایک دن کا وقفہ ہوتا ہے جو تمہارے لحاظ سے ایک ہزار سالوں پر محیط ہے۔"

سائنس کیا کہتی ہے؟

ٹائیکون شعاعوں کی لکیریں جو اس قدر تیز رفتار ہوتی ہیں کہ انسانی ذہن ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، غیر مرئی توانائیوں کی نشانیاں ہیں۔ یہ مادی دنیا میں بھی آتی ہیں اور پھر اس کی طرف لوٹ جاتی ہیں جہاں سے یہ آتی ہیں۔

فزکس کی جدید ترین دریافتیں اور تصورات ابھی حال ہی میں قرآن حکیم کی آیات کی تشریح کے قریب پہنچی ہیں۔ جبکہ دنیا کو ان کے ذریعے سے چودہ سو سال قبل ہی بصیرت عطا کر دی گئی تھی۔

ان دو سورتوں میں ایسی ایسی بصیرتیں موجود ہیں کہ ان کی مدد سے کائنات کی پیدائش سے متعلق بہت سے راز فاش ہو سکتے ہیں۔ زیادہ اہم یہ حقیقت ہے کہ ان آیات کی مدد سے غیر مرئی فرشتوں کی موجودگی پر ایمان لانا علم طبیعیات (فزکس) کے لئے ناگزیر ہے۔

فرشتوں کے متعلق جو نظریہ ہے جسے ہم ایمان کے بنیادی ارکان میں سے ایک سمجھتے ہیں اس پر مشرق اور مغرب کے ملحدوں اور کافروں نے کئی سالوں تک اعتراضات کئے ہیں اور اس کا مذاق اڑایا ہے۔ مگر آج سائنس نے ان ہستیوں کی موجودگی کی حقیقت کا اعتراف کرنا شروع کر دیا ہے اور انہیں قرآن کی رو سے معجزہ تسلیم کیا گیا ہے جس کی شہادت علم طبیعیات میں رفتار کے نئے نظریات نے پیش کی ہے۔ ہمارے موجودہ (مادہ پرست) دور میں اس قسم کے فہم اور ادراک کا ظہور پذیر ہو جانا بجائے خود قرآن کریم کا ایک اور معجزہ ہے۔ (ماخوذ:۔ قرآنی آیات اور سائنسی حقائق)

روشنی کے مینار

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ

قاری محمد یاسین

ایک دفعہ ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ اسے کچھ نصیحت فرمائی جائے۔ بزرگ نے فرمایا: میری صرف چھ باتیں مان لو اور ان پر عمل کرو' اس کے بعد تمہیں مکمل آزادی ہے جو چاہو کرو۔

(1) اول یہ کہ جب تم اللہ کی نافرمانی کرو تو اس کی نعمت کھانا چھوڑ دو' اس شخص نے جواب دیا' حضرت دنیا میں جو کچھ ہے' سب تو اسی کا ہے' پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ بزرگ نے فرمایا پھر تمہیں شرم نہیں آتی کہ اس کی نعمت کھاتے ہو اور اس کی نافرمانی بھی کرتے ہو۔

(2) دوم یہ کہ جب تم اللہ کی نافرمانی کرنا چاہو' تو اس کے ملک سے باہر نکل کر کرو۔ وہ شخص بولا: حضرت مشرق سے مغرب تک' شمال سے جنوب تک سب تو اسی کا ملک ہے' پھر میں کہاں جاؤں۔ فرمایا: کیا پھر اس کے ملک میں رہ کر اس کی نافرمانی کرنا تمہیں زیب دیتا ہے

۔

(3) سوم یہ کہ اگر کوئی گناہ کرنا چاہو تو ایسی جگہ چھپ کر کرو' جہاں اللہ تمہیں نہ دیکھے ۔اس نے کہا: عجیب بات ہے آپ نے فرمایا تم اس کے ملک میں رہو۔ اس کی دی ہوئی نعمت کھاؤ اور پھر اس کے سامنے اس کی مرضی کے خلاف کام کرو۔

(4) چہارم یہ کہ جب ملک الموت تمہاری روح قبض کرنے آئے' تو اس سے کہو کہ تھوڑی دیر رک جائے اور توبہ استغفار کرنے کا موقع دے۔ وہ شخص بولا یا حضرت ملک الموت تو کسی کی بات نہیں سنتا۔ بزرگ بولے کہ جب یہ بات ہے کہ تم ملک الموت کو ذرا دیر کے لئے بھی نہیں روک سکتے تو پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ اس کے آنے سے قبل ہی سچی توبہ کر لو۔

(5) پنجم یہ کہ جب منکر نکیر قبر میں تم سے سوال کرنے آئیں' تو تم کسی حیلے بہانے سے انہیں ٹال دینا۔ وہ بولا: میرے مخدوم' یہ تو سب سے زیادہ مشکل بات ہے۔ بزرگ بولے:

اگر ایسی بات ہے اور تم منکر نکیر کو کسی حیلے بہانے سے نہیں روک سکتے تو پھر پہلے ہی ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(6) اور آخری بات یہ ہے کہ کل قیامت کے روز جب گناہ گاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ انہیں ان کی بد اعمالی کے باعث دوزخ لے جاؤ تو اڑ جانا اور ہرگز دوزخ میں نہ جانا۔ یہ سن کر وہ شخص دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اس نے سچے دل سے بزرگ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔

انتہائی موثر انداز میں ایک بھولے بھٹکے انسان کو سیدھا راستہ دکھانے والے یہ بزرگ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت عمر بن خطابؓ۔ حضرت کے نانا بلخ کے بادشاہ تھے، ان کی وفات کے بعد ابراہیم بن ادھم اپنے نانا کی جگہ تخت نشین ہوئے اور نہایت بیدار مغزی اور خدا ترسی کے ساتھ سلطنت کا کاروبار چلانے لگے، لیکن طبیعت فقر اور درویشی کی طرف زیادہ مائل تھی وہ فقیروں اور درویشوں کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہو گئی کہ ان کا دل سلطنت کے کاموں سے اچاٹ ہونے لگا، وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔ حضرت ابراہیمؒ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنے مریدوں میں ابراہیم بن ادھمؒ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے اور اپنے خرقہ اور خلافت سے ان کو نوازا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت ابراہیمؒ کو سیدنا ابراہیم ادھمؒ کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ ان کے بارے میں اکثر فرماتے تھے "گروہ فقراء کے تمام علوم کی کنجی ابراہیم ادھمؒ ہیں۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم لکڑی کا گٹھ سر پر لئے مکہ کے بازار میں کھڑے تھے، بلخ کے ایک شخص کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے آپ کو پہچان لیا۔ اس نے ادب سے سلام کر کے عرض کیا کہ اے سلطان! بلخ کی سلطنت کو چھوڑ کر اس طرح تکلیف اور پریشانی اٹھانے کا کیا فائدہ ہوا؟ آپ نے لکڑی کے گٹھ پر ہاتھ مارا تو وہ سب سونا ہو گیا اور پھر زمین پر پٹک دیا اور فرمایا بلخ کی سلطنت چھوڑ کر جو مرتبہ اور فائدہ اللہ نے مجھے

بخشتا ہے اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔•

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادھمؒ صحرا میں جارہے تھے کہ ایک بزرگ نمودار ہوئے اور انہیں اسم اعظم کی تعلیم دی۔ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ "اے ابراہیم" جنہوں نے ابھی تم کو اسم اعظم سکھایا تھا وہ میرے بھائی الیاس علیہ السلام تھے اور میں بھی اس اسم اعظم کی اجازت دینے آیا ہوں اس کا ورد برابر جاری رکھنا تم بہت جلد اپنے مقصد حقیقی میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

ایک دن خلیفہ معتصم باللہ جو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا معتقد تھا؛ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ خدمت کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا میں نے دنیا دنیا والوں کے لئے اور آخرت آخرت والوں کے لئے چھوڑ دی ہے اور خود اپنے لئے یاد الہٰی اور اس کی محبت اور دیدار کو مخصوص کرلیا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے پوچھا کہ آپ کس کے بندے ہیں تو وہ خوف سے کانپنے لگے اور بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو یہ آیت کریمہ پڑھی:

ان کل من فی السموت ولا رض الا اتی الرحمن عبدا

اس شخص نے آپ سے پوچھا آپ نے یہی جواب پہلے کیوں نہ دیا اور اس طرح خوف سے کانپنے کیوں لگے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے اپنے آپ کو اس کا بندہ کہا اور اس نے حق بندگی طلب کیا تو کیا ہو گا؟ لیکن اس سے انکار بھی ممکن نہ تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ولی اللہ ہونا چاہتے ہو، اس نے جواب دیا زہے نصیب، اس سے بہتر اور کیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا دنیا اور آخرت سب کی تمنا چھوڑ دو، اللہ کے سوا ہر چیز سے فارغ اور بے نیاز ہو جاؤ اور ہمیشہ حلال کی روزی کھاؤ بغیر اس کے کوئی ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔

آپ نے فرمایا، عارف کی نشانی یہ ہے کہ وہ تفکر کرے، اور ہر شے سے عبرت کا سبق سیکھے اور خداوند کریم کی صفت و ثنا کرتا رہے، فرمایا کہ دو حجابوں کے اٹھ جانے سے سالک کے دل پر انوار الہٰی کی بارش ہوتی ہے۔ اول یہ کہ دونوں جہان کی حکومت پر بھی راضی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر چھین لیا جائے تو غمگین نہ ہو کیونکہ کسی چیز پر خوش ہونا حریص ہونے

کی اور غمگین ہونا غصے کی نشانی ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو انکساری کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بند ہے اس کو کھولو اور جو کھلا ہے اس کو بند کرو، مرید نے عرض کیا حضرت میں سمجھا نہیں۔ آپ نے فرمایا روپے کی تھیلی جو بند ہے اس کو کھولو اور زبان جو کھولی ہوئی ہے اس کو بند کرو۔

ایک مرتبہ حضرت ابو سعید ابوالخیرؒ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی زیارت کے لئے ان کے غار میں تشریف لے گئے۔ غار خالی تھا، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ مکہ معظمہ چلے گئے تھے، لیکن پورا غار خوشبو سے مہک رہا تھا۔ حضرت شیخ ابو سعیدؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا کرامت ہے، اگر اس پورے غار کو مشک سے بھر بھی دیا جائے تو ایسی دلاویز خوشبو نہیں پیدا ہو سکتی جیسی اس وقت اس مرد خدا کے قیام کے باعث ہے۔

آپ کی شب بیداری

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھمؒ برابر روزہ سے رہتے اور رات بھر جاگ کر عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں مشغول رہتے۔ کبھی کبھی دن کو جنگل سے لکڑی کاٹ کر لے آتے اور اسے فروخت کر کے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

رات کو تھوڑی دیر کے لئے بھی آرام نہ فرماتے۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت آپ کسی وقت بھی نہیں سوتے۔ آپ نے جواب دیا کہ دوست کی یاد اور محبت میں محو ہونے والے کو نیند نہیں آتی۔

وفات

آپ کے مقام وفات کے بارے میں دو رائے ہیں، بعض لوگ بغداد بتاتے ہیں اور بعض شام لیکن زیادہ محقق شام ہی ہے۔ یہیں حضرت لوط علیہ السلام کے مقبرہ کے پاس ایک غار میں آپ آخری زندگی میں جاگزیں ہو گئے تھے اور اسی جگہ آپ نے وفات پائی۔ آپ کا وصال 26 جمادی الاول 280 ہجری کو ہوا

(ماخوذ "اولیاءاللہ")

نواقص وضو

قاری محمد یاسین

دوسری قسم

1۔ چت یا پٹ یا لیٹ کر یا ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

2۔ جن حالتوں میں ہوش و حواس درست نہیں رہتے ان میں وضو ٹوٹ جاتا ہے

3۔ کسی مرض یا صدمے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا

4۔ کسی نشے والی چیز کے کھانے ' پینے یا سونگھنے سے نشہ آ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

5۔ نماز جنازہ کے علاوہ کسی نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

6۔ دو آدمیوں کی شرم گاہیں شہوت کی حالت میں مل جائیں اور بیچ میں کسی کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہو تو انزال ہوئے بغیر بھی وضو ٹوٹ جائے گا

7۔ لیٹ کر نماز پڑھنے والا مریض اگر نماز میں سو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

8۔ نماز سے باہر آدمی دو زانو ہو کر سو جائے یا کسی اور طریقے سے سو جائے اور اس کی دونوں ایڑیاں زمین سے علیحدہ ہوں تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

وہ باتیں جن سے وضو نہیں ٹوٹتا

1۔ نماز میں سو جانے سے چاہے سجدہ ہی میں سوئے۔

2۔ بیٹھے بیٹھے اونگھ آجانے سے۔

3۔ نابالغ آدمی کے قہقہہ لگانے سے۔

4۔ نماز میں ہلکی آواز سے ہنسنے اور مسکرانے سے۔

5۔ عورت کی پستان سے دودھ نکلنے سے یا نچوڑنے سے۔

6۔ ستر برہنہ ہونے 'یا ستر کو ہاتھ لگانے سے یا کسی کا ستر دیکھنے سے

7۔ جنازے کی نماز میں قہقہہ لگانے سے۔

8۔ زخم سے خون نکلے مگر زخم کے اندر ہی رہے 'بہنے نہ پائے۔

9۔ وضو کے بعد اگر ڈاڑھی یا سر کے بال وغیرہ منڈوا دیئے جائیں تو اس سے وضو یا سر کا مسح باطل نہ ہو گا۔

10۔ تھوک اور بلغم سے چاہے وہ منہ بھر کر ہی ہو۔

11۔ مرد و عورت کے بوس و کنار سے۔

12۔ کان 'ناک یا منہ سے کوئی کیڑا نکلنے سے۔

13۔ جسم سے کوئی پاک چیز نکلے جیسے آنسو اور پسینہ وغیرہ

14۔ ڈکار آنے سے چاہے ڈکار بدبو دار ہو۔

15۔ جھوٹ بولنے 'غیبت کرنے یا اور کوئی گناہ کرنے سے (معاذ اللہ)

معذور کے وضو کا حکم

☆ وضو کے معاملہ میں اس شخص کو معذور سمجھا جاتا ہے جو کسی ایسی مرض میں مبتلا ہو 'جس سے ہر وقت وضو توڑنے والی چیز بہتی رہتی ہو اور مرض سے اتنی مہلت نہ ملتی ہو کہ طہارت سے نماز پڑھ سکے۔ مثلاً"

1۔ کسی کو پیشاب کا مرض ہو اور ہر وقت قطرہ آتا رہتا ہو۔

2۔ کس کو ریاحی مرض ہو اور ہر وقت ریح خارج ہوتی رہتی ہو۔

3۔ کوئی آنکھوں کا مریض ہو اور ہر وقت آنکھوں سے میل نکلتا ہو یا ہر وقت پانی بہتا ہو۔

4۔ کسی کو پیٹ کا مرض ہو اور ہر وقت پاخانہ جاری رہتا ہو۔

5۔ کوئی ایسا مرض ہو جس سے ہر وقت پیپ یا خون رستا رہتا ہو۔

6۔ کسی کو نکسیر کا ایسا مرض ہو کہ ہر وقت خون جاری رہتا ہو۔

7۔ کسی کو منی یا مذی کا مرض ہو اور ہر وقت بہتی رہتی ہو۔

8۔ کسی خاتون کو ہر وقت استحاضہ کا خون آتا رہتا ہو۔

ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ ایسا شخص ہر نماز کے لئے نیا وضو کر لیا کرے اور یہ وضو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کوئی دوسری چیز ایسی نہ پیدا ہو جائے جس سے وضو جاتا رہتا ہے، مثلاً" کسی کو نکسیر کا مرض ہے۔ اس نے ظہر کا وضو کیا تو اس کا یہ وضو عصر تک باقی رہے گا۔ ہاں اگر نکسیر کے خون کے علاوہ اس کو پیشاب آیا، یا ریح خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

معذور کے مسائل

1۔ معذور ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنے کے بعد وقت رہنے تک اس وضو سے فرض، سنت، نفل سب نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

2۔ کسی نے فجر کی نماز کے لئے وضو کیا تو آفتاب نکلنے کے بعد وہ وضو ختم ہو گیا اب اگر نماز پڑھنا ہو تو نیا وضو کرنا ہو گا۔

3۔ آفتاب نکلنے کے بعد اگر وضو کیا تو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے ۔ ظہر کے لئے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ عصر کا وقت ہوتے ہی وضو ختم ہو جائے گا۔

4۔ اگر کسی معذور کو کسی نماز کا پورا وقت ایسا مل جائے کہ اس پورے وقت میں اس کا وہ مرض بالکل ٹھیک رہے۔ مثلاً" کسی کو پیشاب کا مرض تھا اور ظہر سے عصر تک پورے وقت میں اس کو ایک قطرہ بھی نہیں آیا تو اس کی معذوری ختم ہو گئی اب جتنی بار بھی قطرہ آئے گا نیا وضو کرنا پڑے گا۔

کلام اقبالؒ

عبدالرشید ساہی

نمبر 1

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے!

اگر کوئی شخص دوسروں کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ اپنی نگاہ میں شوخی یا دلبری کی شان پیدا کرے، کیونکہ دل کا فیصلہ عموماً نگاہ سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی کی شخصیت میں دلکشی نہ ہو لوگ اس کے گرویدہ نہیں ہو سکتے۔ علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں ظاہری نگاہ کی بات نہیں کی بلکہ باطنی نگاہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، جیسے ایک جگہ انہوں نے واضح فرمادیا کہ

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

علامہ اقبالؒ کا سارا کلام ہی تصوف پر مشتمل ہے، اس کلام کی سمجھ کسی ولی کامل کی صحبت میں بیٹھے بغیر نہیں آسکتی۔ علامہ فرماتے ہیں

راز حرم سے شائد اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

جس نگاہ کی بات علامہ اقبالؒ نے کی ہے وہ صرف اور صرف کسی مرد مومن کی توجہ سے بیدار ہوتی ہے۔

نہ تخت و تاج میں ہے نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

جب کسی کی باطنی نگاہ بیدار ہوتی ہے تو پھر انسان برائیوں سے خود بخود اجتناب کرنے لگتا ہے۔

حسد، تکبر، ہوا و حرص، طمع اور بے جا نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے اس

کو نجات مل جاتی ہے' اس انسان کو ہر وقت ہر چیز میں مالک حقیقی کا جلوہ اور حسن نظر آتا ہے۔ اس کے اندر سے تمام فتنے اور برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:۔

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو ہی اپنا حاکم بنا لیا ہو اور باوجود یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس دنیا میں خدا کے سوا کوئی سردار یا حاکم نہیں۔ خدا نے اس کو گمراہ کر دیا ہو اور اس کے علم کے تینوں مصدروں یعنی کان اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہو اور دل پر مہر لگا دی ہو تو کیا ایسے شخص کو خدا کے بعد کوئی ہستی راہ دکھا سکتی ہے؟ کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے"

گویا سمع' بصر اور قلب کا استعمال کر کے فطرت کا علم حاصل نہ کرنا شرک اور گمراہی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بے شک تم ہماری حفاظت اور نگاہ میں ہو" جو انسان خدا کی نگاہ میں ہوتا ہے وہ ہر دکھ' مصیبت اور پریشانی سے بے نیاز رہتا ہے۔ بظاہر اس کو ہزاروں دکھ بھی آئیں تو ایک بھی محسوس نہیں ہوتا

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

نمبر2

اس خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مال سکندری کیا ہے!

علامہ اقبال" فرماتے ہیں چونکہ میں بادشاہوں کے سامنے برملا اس حقیقت کا اظہار کر دیتا ہوں کہ دنیاوی اقتدار عارضی اور فانی شے ہے' اس پر فخر اور غرور کرنا درست نہیں ' اس لیے یہ طبقہ مجھ سے ناراض رہتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ "جابر و ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے" یہ اس لیے بڑا جہاد شمار ہوتا ہے کہ خود سر اور مطلق العنان حاکم حق اور سچ کو برداشت نہیں کرتے اور اس انسان کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں' اس کا جینا محال کر دیتے ہیں کیونکہ وہ ایسے مرد حق کو اپنی سلطنت کے لئے بڑا خطرہ جانتے ہیں۔ یہی کلمہ حق جب نبی مکرم ﷺ نے کوہ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر سنایا تو مکہ کے نامی گرامی سردار اور چودھری آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے' یہی کلمہ حق

جب حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے دربار اکبری میں سنایا تو آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ دراصل حکمران حق بات سننا پسند نہیں کرتے کیونکہ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔

لیکن سلام پیش کرنا چاہیے ایسے انسانوں کو کہ تختہ دار پر بھی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے، ایسے انسان ہی انسانیت کی معراج کو پاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں فلاح پاتے ہیں۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ایسے انسان اللہ کے شیر کہلانے کے حقدار ہیں، جنہوں نے حق گوئی کو اپنایا اور مشکل سے مشکل ترین حالات میں بھی سچائی کا دامن نہ چھوڑا، ایسے انسان دراصل قوم کے مسیحا ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ قوم ان کے فرمان پر کان نہ دھرے اور ناکامیوں اور ذلتوں کے عمیق گھڑوں میں غرق ہوتی چلی جائے، دراصل یہ مقام انبیاء اور ان کے وارثین کا ہے۔

نمبر3

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

علامہؒ فرماتے ہیں، دنیا میں ہر شخص سروری کا آرزومند ہے یعنی حصول اقتدار ہر شخص کی فطرت میں شامل ہے، ہر شخص دوسروں پر حکومت کرنے کا خواہشمند ہے لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اگر قوم فروشی یا ضمیر فروشی کر کے سروری حاصل ہو تو وہ انسان کے لئے عزت نہیں بلکہ ذلت کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک ایسا آلہ نصب کیا ہوا ہے کہ وہ انسان کو برائی کرنے پر ضرور لعن طعن کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ انسان اس آلہ کی آواز پر کان نہ دھرے، لیکن وہ اپنا فرض نہایت ایمانداری سے انجام دیتا رہتا ہے، اس آلہ کو دوسرے الفاظ میں ضمیر کہا جاتا ہے، یہ غیر جانبدار پرزہ روح بھی کہلاتا ہے۔ جب تک انسان کے اندر روح بیدار رہتی ہے انسان کا شمار زندوں میں ہوتا ہے اور جب روح مردہ ہو جاتی ہے تو انسان کا شمار مردوں میں ہوتا

ہے، للہذا انسان کے مردہ یا زندہ ہونے کا معیار روح کے زندہ یا مردہ ہونے پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے احکام پر عمل نہ کرنے والے انسان مردہ ہیں، ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر یہ دیکھ نہیں سکتے، ان کے کان بھی ہیں مگر یہ سن نہیں سکتے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک اور جگہ اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

تیرا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے

خدا تعالیٰ چونکہ حی و قیوم ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لئے وہ زندہ انسان کی مدد اور یاوری کرتا ہے، انسان میں اللہ نے اپنا حکم بطور روح داخل کیا ہے۔ انسان صرف اس وقت تک زندوں میں شامل رہتا ہے جب تک کہ وہ خدائی ضابطوں کی پابندی کرتا ہے۔ لیکن جب انسان احکام خداوندی سے منہ موڑلیتا ہے، اس کا شمار مردوں میں ہونے لگتا ہے اور اللہ ایسے انسان سے اپنا تعلق معطل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ایسے انسان حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

خدائی حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنا ہی اصل مقصود حیات ہے۔

نمبر4

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو میرا کلام اس لیے پسند ہے کہ میں قلندرانہ زندگی بسر کرتا ہوں اور اپنی قوم کو اللہ اور اس کے محبوب ترین رسول ﷺ کا پیغام سناتا ہوں، ورنہ مجھ سے بدرجہا بہتر شاعر اور سخن گو دنیا میں موجود ہیں، مجھے جو عزت نصیب ہوئی ہے وہ اس لئے نہیں کہ میں شاعر ہوں بلکہ اس لیے لوگ میرا احترام کرتے ہیں کہ میں اللہ کو رب تسلیم کرتا ہوں اور عاشق رسول ﷺ ہوں، میں اپنی قوم کا غم خوار ہوں اور اس کو عشق رسول کا درس دیتا ہوں کیونکہ دین اسلام صرف اور صرف نبی مکرم و محترم کی اداؤں کا نام ہے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس معیار کی وضاحت یوں فرما کر واضح کر

دی ہے کہ " اے نبی ﷺ ان سے فرمادیں اگر وہ چاہتے ہیں کہ اللہ ان سے محبت کرے تو میری محبت کو وہ آپ ﷺ کے اتباع میں پائیں گے " لیکن آج کل کے مسلمانوں میں زبانی کلامی محبت ہے

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشان ، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

علامہ اقبال ؒ نے ساری کی ساری شاعری کتاب اللہ اور عشق رسول ﷺ میں غرقاب ہو کر بیان فرمائی ہے ، لیکن جس طرح خدا تعالیٰ کی معرفت اور حقیقت کو پانے کے لیے پہلے خدا کا بندہ بننا ضروری ہے تب جا کر خدا کا قرب اور لقاء نصیب ہوتا ہے اسی طرح علامہ اقبال ؒ کی شاعری کو سمجھنے کے لیے عشق رسول ﷺ میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے تب جا کر انسان علامہ اقبال ؒ کے تخیل کو پا سکتا ہے

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

علامہ اقبال ؒ نے خدا تعالیٰ تک رسائی کے راستوں کی نشاندہی کی ہے اور اتباع رسول ہاشمی ﷺ کا درس دیا ہے۔

اس راز کو اب فاش کر اے روح محمد ﷺ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے
شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

خدا تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ خالص تعلق قائم کرنے کے لیے ہمارے مرشد کامل محمد صدیق ڈار صاحب سے رابطہ کیجئے انشاء اللہ آپ کے عقیدہ کی درستگی ہو گی اور اللہ سے قرب و محبت کی منزلیں جلد از جلد طے ہونگیں ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور اس کے کرم سے ہی بیان و عمل میں درستی برقرار رہ سکتی ہے ۔

نبی آخر زمان ﷺ کی صداقت

(ہندوؤں کی مقدس کتاب وید سے ثابت)

پیش لفظ:۔(بھارت میں ایک بزرگ شخصیت مولانا شمس نوید عثمانی نے تحقیق کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہندو چونکہ اپنی مذہبی کتاب وید کے الہامی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے عثمانی صاحب نے خیال کیا کہ اگر وید واقعی الہامی کتاب ہے تو اس میں پیغمبر آخر زماں حضرت محمد ﷺ کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اور توحید خالص کا بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور بیان ہو گا۔ انہوں نے نوجوانوں کی ایک جماعت تیار کی تا کہ وہ سنسکرت کا پورا علم حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے سنسکرت اور ویدوں کا پورا علم حاصل کیا اور جب بغور ان کا مطالعہ کیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور حضور اکرم ﷺ کی صداقت کا پورا بیان مل گیا جس کو ہندو پنڈتوں نے یہودی اور عیسائی عالموں کی طرح اپنے عوام سے چھپا رکھا ہے۔ چونکہ قیامت سے پہلے تمام کفر ایک دفعہ ساری دنیا سے مٹ جائے گا' اس لئے اکثر قومیں من حیث القوم اسلام اختیار کریں گی۔ بھارت میں ایسا انقلاب کسی وقت بھی آسکتا ہے کیونکہ قیامت کے آثار کا ظہور تو شروع ہو چکا ہے۔ پاکستان کے عوام کو بھی اس کے لئے تیار رہنا چاہیے اور اسلام کی طرف پوری طرح رجوع کرنا چاہیے ورنہ وہ دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ اس جدوجہد کی داستان ہم ان کی کتاب سے پیش کر رہے ہیں)۔

عثمان صاحب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا میں اپنے الفاظ میں مطلب یہ سمجھا ہوں کہ حساب کے دن ایک شخص کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ عمر بھر سجدے کیے تھے۔ ماتھے پر بڑا سا گٹہ پڑ گیا تھا۔ تسبیحات پڑھتے عمر گزر گئی تھی مگر مالک کے مزاج کو نہیں پہچانا' آدمی سے محبت نہیں کی' اس کی سب سے محبوب مخلوق۔

توجانتے ہو کیا ہو گا؟

اللہ پوچھے گا! تم کون ہو؟ تم میرے کیسے دوست ہو؟ میں بھوکا تھا' میں نے روٹی مانگی تھی۔ تم نے روٹی نہ دی"

کہا۔۔۔ پروردگار یہ کیا سن رہا ہوں؟ میں نے تو یہ پڑھا تھا کہ تو کھلانے والا ہے کھاتا نہیں"

لیجئے قلعی کھل گئی عالم کی۔

جواب ملے گا۔ "ہاں لیکن وہ میرا بندہ جو بھوکا تھا تم نے اسے روٹی کیوں نہ بھیجی؟ اگر اسے دیتے تو آج اسے میرے پاس پاتے؟

میں اس حدیث کا مطلب یہ بھی سمجھتا ہوں کہ۔۔۔۔۔

اللہ تعالٰی ہم لوگوں سے پوچھے گا۔۔ "میں بھٹک رہا تھا تم نے مجھے راستہ نہیں بتایا؟ لوگ کہیں گے۔ "پروردگار آپ کب بھٹکتے ہیں؟"

فرمائے گا۔ "میرے بندے بھٹک رہے تھے اور قرآن شریف کا روحانی رزق تمہارے پاس تھا' محمد ﷺ کے کردار کی زندہ تصویر تمہارے پاس تھی' کتنے انسان تھے' ست پرش کو ڈھونڈ رہے تھے' علمی حقیقت تلاش کر رہے تھے۔ وہ جو بھٹک رہی تھی ایک قوم اور علم کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی' اگر تم اسے دیتے تو آج میرے ہاتھ میں پاتے"

علم بغیر استاد کے بیکار ہے' تمہارے پاس قرآن کا علم ہے' اسے اللہ کے رسول ﷺ سے سیکھو' ان کی سنت سے سمجھو۔

ہمارے ساتھ رہنے والی قوم' ہمارے پڑوسی مذہب کو ماننے والی قوم کے پاس بھی ان کی ایک کتاب ہے۔ لیکن بغیر گرو کے گیان کچھ نہیں کر سکتا۔ اس قوم کے مذہب میں لکھا ہے گرو دھرم کی عملی تصویر ہوتا ہے' ست پرش ہوتا ہے۔ ان کے مذہب میں یہ خرابی پیدا ہو گئی کہ ان کا پیغمبر کھو گیا' ہندوؤں کو یہ نہیں معلوم کہ پہلا

پیغمبر کون تھا ان کا۔ نہایت دھارمک قوم ہے۔ نہایت اعلیٰ درجے کی قربانی دینے والی' تم تو وضو کرتے ہو صبح کو' وہ بھی کبھی کبھی' وہ رات کو اشنان کرتے ہیں' جو ہندو ہیں وہ بت کے لئے رات کو اٹھتے ہیں تین بجے اور تم خدا کے لئے صبح کو نہیں اٹھتے؟ ہمارے پاس اور تو کچھ ہے نہیں۔ ایک کلام ہے خدا کا' اور تو سب ہم کھو چکے' کم از کم یہ ان انسانوں تک پہنچا دو جو اسے ڈھونڈ رہے ہیں' اس کی مدد سے ان کا رسول ڈھونڈ کر دے دو انہیں' تین بجے اٹھنے والی قوم کو اگر اس کے پیغمبر کی حقیقت معلوم ہو جائے کہ ان کا اصل خدا کون ہے تو جو نقلی خدا کے اصلی بندے بن سکتے ہیں وہ اصلی خدا کے کیسے اعلیٰ درجہ کے بندے ہوں گے۔

جس کی دعوت کرنا ہو اسی کے کھانے کو تیار رکھنا پڑے گا' بکری کو کھلانا ہو تو کیا گوشت دو گے؟ ہر ایک کی غذا الگ ہے' ہر قوم کا دھارمک بھوجن اور مزاج الگ ہے۔

اس قوم کا ایک مزاج ہے' اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کوئی ان کے گیان کو جانتا ہے اور اتنا جانتا ہے کہ اس کو اصلی گیان ہے' تو گیان کے آگے سر ٹیک دیتے ہیں' قدردان کا معاملہ ہے' ناقدری نہیں کریں گے۔ مگر یہ ضرور دیکھیں گے کہ پریم سے کر رہا ہے یا کاروبار کر رہا ہے' اخلاص کے بغیر نہ خدا قبول کرتا ہے نہ ہندو' نشکام یوگ (بے لوث قربانی) چاہئے' سکام یوگ (بدلے کی تمنا کے ساتھ قربانی) پر لعنت۔ بندے کی طرف سے بھی اور خدا کی طرف سے بھی خلوص کا یقین دلانا ہو گا لیکن جب ہو گا تبھی تو دلاؤ گے!

قرآن سارے مذہبوں کو دھونے والا ہے' ہر دھونے والے کا احسان مانا جاتا ہے اس دھونے والا کا نہیں مانتے؟ کیوں کے ہم نے ثابت ہی کب کیا ہے کہ دوسروں کو دھویا اس نے۔ کسی کے گیان کو دھو کر تو دکھاؤ جبھی تو کہے گا تم نے دھویا۔ اپنے ہی کپڑے دھو رہے ہو' دھو کر دکھاؤ "ایکم ایوم ادویتم" (ایک ہے اور دوسرے کی

شرکت کے بغیر ہے) کیا ہے؟ یہ برہم سوتر کہلاتا ہے، کلمہ کہلاتا ہے۔ ہم مسلمان کلمے کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے۔ آپ ہندو کیسے ہو گئے؟ لا الہ الا اللہ کا انکار کروں کافر ہو جاؤں گا تم اپنے کلمے کے مانے بغیر ہندو کیسے ہو؟

میں نے ایک ہندو بھائی سے کہا "ایکم برہم دوستیہ ناستے نیہ نا ناستے کنچن" (ایک ہی خدا ہے دوسرا نہیں، نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا سا بھی نہیں ہے) پہلے اس پر ایمان لاؤ جبھی تو ہندو ہو گے، یہ تو وید کا کلمہ ہے۔ اور ہم اسے پڑھ رہے ہیں، میں نے ان سے کہا میں اسے پڑھتا ہوں۔ "ایکم برہم......." اب میں اسے دوسری بھاشا میں پڑھتا ہوں There is no god but God. one wihtout second میں نے کہا میں پھر اسے ایک اور بھاشا میں پڑھتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ میں نے تین زبانوں میں خدا کی گواہی دی، تین بار انعام ملے گا، مفتی الیاس صاحب بیٹھے تھے انہوں نے بھی پڑھا، مولانا اسمٰعیل بیٹھے تھے، انہوں نے بھی پڑھا، اب میں نے اس ہندو بھائی سے کہا، کیا اس میں کوئی فرق ہے، کہا کچھ نہیں، میں نے کہا کیا آپ بھی عربی میں پڑھ سکتے ہیں؟ جیسے ہم نے ڈٹ کر سنسکرت میں پڑھا، اس نے کہا کیوں نہیں؟ اس نے کلمہ پڑھا۔

آج کا نوجوان کھلے ذہن کا ہے، لیکن علم کی روشنی میں گیان کی بات کرو، قرآن سے دھو کر ثابت کرو۔

میں ایک ہندو گیانی کے پاس گیا، میں نے کہا! آپ کے پاس لوگ مورتیاں دیکھنے آتے ہیں یا ترا پر، بتایئے ہمارے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ ہم کس لئے آئے ہیں؟ ہم بھی ایک مورتی کی وجہ سے آئے ہیں۔

کہنے لگے "آپ کے یہاں تو مورتی نہیں مانی جاتی"

میں نے کہا۔ "آپ خود مٹی سے بنے ہیں، یہ خدا نے آپ کی مورتی بنائی ہے، میں اپنے خدا کی بنائی ہوئی مورتی کا درشن کرنے آیا ہوں، آپ کے دھرم میں یہ

حکم ہے کہ ناک کے اگلے حصہ میں نگاہ جماؤ اور کسی طرف نہ دیکھو' ہر اس جگہ دیکھا جا رہا ہے جہاں منع کیا گیا تھا اور اس جگہ دیکھنے کو تیار نہیں جہاں کہا گیا تھا"

میں نے کہا۔ ہم سجدہ میں اسی ناک کی طرف نگاہ جماتے ہیں' اپنی مورتی کو دیکھ کر وہ مورتی کار یاد آتا ہے' یہ پورا برہمانڈ خدا کا ایک مندر ہے' مسجد ہے جو چاہیں کہہ لیں اس میں خدا کی بنائی ہوئی مورتیاں ہیں' ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے' ہم جو بنائیں گے اسے دیکھ کر ہم یاد آئیں گے' ہر چیز اپنے بنانے والے کی یاد دلاتی ہے' اس خدا کی بنائی ہوئی' اپنے جسم کی مورتی کی ناک کے اگلے سرے پر نگاہ جما کر ہم سوچتے ہیں کہ ۔۔۔ اے اس زندہ مورتی کو بنانے والے مورتی کار ہمارا پوجیہ (معبود) تو تو ہے اور اس کو پون (ہوا) سے پالنے والے' ہمارا پروردگار تو تو ہے اور اس ہوا کو روک کر مارنے والے تو ہی ہماری جان کا مالک ہے' تو ہی ہمارا برہما ہے' ہمارا پیدا کرنے والا ہے' ہمارا وشنو بھی تو ہی ہے' ہمیں پالتا ہے اور تو ہی ہمارا شیو ہے ہمیں موت دیتا ہے تو ہی ہمارا کرتا' تو ہی ہمارا بھرتا' تو ہی ہمارا سنہرتا (مارنے والا) تیرے ہی ہاتھ میں پیدائش' تیرے ہی ہاتھ میں زندگی' تیرے ہی ہاتھ میں موت

یہ جو کہا تو ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی

جس پڑوسی کا حق ادا نہیں کیا حضور ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ وہ مسلمان نہیں' پالنے کے مکلف ہم نہیں ہیں لیکن جو ہم کر سکتے تھے وہ کریں' ایک روٹی ہے تو آدھی واجب ہو گئی' اگر صرف ایک کلمہ کی بات بتانے کی طاقت ہے تو اتنا ہی کر دیں۔ اگر اتنا کر سکتے ہیں کہ دو چار دیدانت کی گتھیاں کھول دیں تو یہ کریں' لیکن اگر آپ اپنے لئے صحیح کر رہے ہیں اور پڑوسی کو نہیں دے رہے تو آپ کی آدھی روٹی حرام ہو گئی۔ پڑوسی میں مذہب کی قید نہیں۔ قومیں قوموں کی پڑوسی ہوتی ہیں مذہب مذہب کا پڑوسی ہوتا ہے' پوری دنیا تمہاری طرف دیکھ رہی ہے کہ حق ادا کرو۔

انقلاب کی پیشین گوئی

کعبہ کی بے حرمتی

بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضے کے حادثے پر ممتاز عالم دین مولانا سید علی میاں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا" یہ شرمناک شکست اور ساری دنیا کے سامنے رسوائی آخر کیوں ہوئی؟ جبکہ کل تک نصرت الٰہی ان کے جلو میں تھی۔ معجزے رونما ہوتے تھے' آسمانی لشکر ان کے لئے اترتے تھے' اس دن سے آج تک دنیا کے تمام مسلمان ہاتھ اٹھا کر فریاد کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قبلہ اول ہمیں واپس دلا دے لیکن دعائیں خالی واپس آ رہی ہیں' شاید نصرت آنا سچ مچ بند ہو گئی' حالات مزید بگڑتے گئے' یہاں تک بیت الحرام کی بے حرمتی بھی شروع ہو گئی' یکم محرم ۱۴۰۰ھ 20 نومبر 1979ء کا منحوس دن محمد بن عبداللہ قحطانی کے دعوئ مہدیت سے شروع ہوا اور آنے والے پندرہ دن ۱۴۰۰ سالہ اسلامی تاریخ کا تاریک ترین دور بن گیا' جن میں بیت الحرام انسانی خون سے نہلایا جاتا رہا۔ کعبہ کی دیواریں گولیوں سے چھلنی ہوتی رہیں اور لگاتار کعبہ نماز اذان اور طواف سے محروم رہا' ان پندرہ دنوں میں مسلمانان عالم کی نگاہیں غیبی لشکروں کے انتظار میں آسمان کو تکتی رہیں' پہلے بھی تو بارگاہ رب العزت کی طرف سے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کرنے کے لئے مدد آئی تھی' اس مرتبہ ابابیل کی فوج نہ آئی۔ اللہ کا پیغمبر ۱۴۰۰سو سال پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس گھر کے پاسبان ہی جب بے حرمتی پر اتر آئیں گے تو رسی میں ڈھیل دی جائے گی اور انہیں اپنے نامہ اعمال پر مزید کالک پوتنے کا موقع دیا جائے گا۔ البتہ امامت عالم کے منصب کے اہل وہ نہ رہ جائیں گے۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ شخص رکن (حجر اسود) اور مقام (مقام ابراہیم) کے درمیان بیعت لے گا اور اس گھر (کعبہ) کی بے حرمتی اس کے گھر

والوں کے سوا کوئی نہیں کر سکے گا' پھر جب اس کی بے حرمتی ہو جائے تو یہ مت پوچھنا کہ اب عرب کب ہلاک ہوں گے۔

یہ روایت ارزقی نے بھی تاریخ مکہ میں درج کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔

حادثہ کعبہ کے پندرہ روزہ تاریخ گواہ ہے کہ نقلی مہدی نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اپنی بیعت لی تھی۔ ایک اور حدیث ذہن میں تازہ کریں۔

"حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو سچوں کے مسلم سچے تھے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔۔۔۔ میری امت قریش کے سر پھرے نوجوانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گی۔

واقعات گواہ ہیں کہ کعبہ کے حادثے کے ذمہ دار افراد کی ٹولی میں شامل تمام نوجوان جو بیس اور بائیس سال کی عمر کے درمیان تھے اتنا ہی نہیں' اس قیامت ارضی کی شروعات کا باعث کون شخص ہو گا پیشین گوئی بھی کی جا چکی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی" جب تک قحطان سے ایک شخص نمودار نہ ہو لے گا جو لوگوں کو اپنے عصا سے ہانکے گا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے بخاری شریف کی اس حدیث کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے :-

"انسانوں کو جانوروں کے گلے کی طرح ہنکانے کا مفہوم انہیں مسخر کرنا ہے' جس کا اشارہ حکومت و اقتدار کی طرف ہو سکتا ہے"

عذاب پیہم مولانا علی میاں کا یہ تجزیہ کہ نصرت الٰہی کا آنا بند ہو گیا' کیا مسلمانان عالم کے لئے تازیانہ نہیں ہے؟ اور رسول کریم ﷺ کی اپنوں کے ہاتھوں بیت الحرام کی بے حرمتی کے بعد عربوں کی ہلاکت کی پیشین گوئی پر اگر ہم ایمان رکھیں تو کیا یہ خبر عالمی سطح پر بہت بڑی تبدیلیوں کی حامل نہیں ہے؟ مسلمانان عالم کی زبوں حالی کی داستان پر نظر ڈالیے۔

مسلمان نہ صرف آج ان ممالک میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں بلکہ مسلم اکثریت والے ممالک میں بھی عبادت گاہوں کے عدم تحفظ' جان و مال 'عزت آبرو' سیاسی اور معاشی ہر طرح کے مسائل سے دوچار ہیں' بھوپال کی گیس ٹریجڈی' جبل پور و جمشید پور سے شروع ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا لامتناہی سلسلہ 'بابری مسجد کا المیہ 'فلپائن 'چین 'روس 'منگولیا' برما اور یوگوسلاویہ کے مسلمانوں پر مظالم 'پاکستان کے نسلی فسادات 'اسرائیل کے ہاتھوں دس گنی زیادہ تعداد والے عربوں کی پامالی' عربوں کے فلسطینیوں پر مظالم اور پھر فلسطینیوں کا آپس میں ہی ایک دوسرے کا ہلاک کرنا' ترکی' مصر' شام 'لیبیا' انڈونیشیا اور ملائیشیا میں بہت بڑے پیمانے پر اسلامی تنظیموں کے افراد پر مظالم' افغانستان کے مسلمانوں کی آہ و بکا' ایران و عراق کی دس سالہ جنگ میں کام آنے والے بے گنتی افراد' ایتھوپیا کا بھیانک قحط' یورپ' افریقہ و ایشیا کے بہت سے دیگر ممالک کے مسائل میں گرفتار مسلمان ..... ذلت کی یہ تصویر کیا پیش کر رہی ہے؟

حضرت ثوبان ؓ مولیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ اور امتیں تمہارے اوپر پے در پے آئیں گی جیسے کھانے والے کٹورے پر آتے ہیں' ایک شخص نے کہا کہ "ہم لوگ شاید اس زمانے میں کم ہوں گے' آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں تم اس زمانے میں بہت بڑی تعداد میں ہو گے لیکن تم ایسے ہو گے جیسے دریا کے پانی پر جھاگ' اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت کو دشمنوں کے دلوں سے نکال ڈالے گا اور تمہارے دلوں میں سستی ڈال دے گا' ایک شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ سستی کیوں ہو گی؟ فرمایا دنیا کی الفت اور موت کے خوف سے

کیا اصل عذاب ابھی باقی ہے؟

ذلت کے اس دور کو آج ہم عذاب کا نام دیتے ہیں لیکن یہ حالات اگر عذاب کا صرف پیش خیمہ ہوئے تو؟ اگر اللہ کا عذاب اس سے بھی سخت ہو تو؟ پچھلی نافرمان قوموں پر جب اللہ کا عذاب آیا تو وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں...... کیا امت محمدی کو اس

انجام سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ قران حکیم سے معلوم کیجئے۔

ترجمہ:۔ آسمان سے زمین کی طرف وہ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کے پاس ایک دن میں لوٹے گا۔ جس کی مقدار تمہارے شمار میں ایک ہزار سال کی ہو گی"

بہت سے مفسرین اس آیت سے مراد قیامت کے دن کو لیتے ہیں حالانکہ سورۃ معارج میں قیامت کے دن کی مقدار یوم کان مقدار خمسین الف سنته کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی وہ ایک دن تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا' اللہ کا امر نافذ ہونے والا ایک دن قرآن مجید نے ایک ہزار سال کے برابر بتایا ہے۔

اس دن کی تشریح سورہ حج کی آیات ۴۶' ۴۷' ۴۸ میں دیکھئے

ترجمہ:۔ سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے۔ اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں (یعنی عذاب کی خبر پر یقین نہیں کر رہے ہیں) دراں حالانکہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا اور آپ کے پروردگار کے پاس ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق' اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنھیں میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں' پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف (سب کی) واپسی ہے"

سورہ سبا کی آیات ۲۹۔۳۰ بھی ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب پورا ہو گا' کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک دن کا وعدہ ہے' اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ (ایک ساعت) آگے بڑھ سکتے ہو"

تینوں مقامات کی آیات کو سامنے رکھ کر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اللہ زمین پر جو نظام' سسٹم نافذ کرتا ہے وہ اس کو اپنے ایک

دن یا ہمارے ہزار سال کے بعد اٹھالیتا ہے اور پھر نئی تدبیر بھیجتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ عذاب صرف پچھلی امتوں کے لئے تھے اور اب حشر تک کے لئے مہلت ہے وہ یہ جان لیں کہ ایک ہزار سال کی مدت کا اللہ کا وعدہ ہے۔

ابھی جلدی نہ کیجئے۔ ابھی یہ نہ پوچھئے کہ ایک ہزار سال تو گذر چکے' مہلت اس کے بعد کیوں ملی ہوئی ہے؟ ابوداؤد کی مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت سعدؓ بن وقاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "یقیناً" میں امید رکھتا ہوں کہ میری امت اپنے پروردگار کی نظر میں اتنی عاجز اور بے حقیقت نہیں ہو جائے گی کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی بھی مہلت عطا نہ کرے" حضرت سعدؓ بن وقاص سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سو سال

شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی تحقیق کے مطابق دنیا میں یہ امت آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد پندرہ سو سال تک رہے گی۔ (یہ وضاحت علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی نے مشکوۃ شریف کے باب قرب الساعۃ میں درج اس حدیث کی اردو میں تشریح کی ہے۔ مقررہ مدت کے بعد مزید مہلت کا ذکر سورہ الشعرا آیات ۲۰۴ تا ۲۰۹ میں ملتا ہے۔ (باقی آئندہ)

تبدیلی قوم کی وعید اب یہاں ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے کہ ہر رسول کے آنے کے بعد اس کی امت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے تازہ ترین علم کی رہنمائی میں پچھلی تمام قوموں کے سدھار کے لئے کھڑی ہو۔ یہی امامت عالم کا منصب کہلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کو معزول کر کے امت محمدی ﷺ کو تاقیامت دنیا کی قوموں کی امامت عطا کی گئی تھی' اب رہتی دنیا تک کوئی نیا نبی نہیں آنا تھا اور امت محمدی ﷺ کو دنیا کے بگاڑ کو دور کرنے کا کام انجام دینا تھا۔ کیا امت موجودہ حالت زار میں اس منصب کی اہل ہے؟

لیکن امت کو برقرار رہنا چاہیے کیونکہ رسول اکرم ﷺ خاتم النبین ہیں

تمام کڑیاں پھر یکجا کیجئے۔

امت محمدی پر پندرہ سو سال بعد عذاب کی نذیر کعبہ کی بے حرمتی کے بعد عربوں کی روحانی ہلاکت کی خبر معزول کے تمام آثار لیکن امامت عالم پھر بھی برقرار! لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے لیکن کیا یہ تمام خبریں ایک ہی جانب اشارہ نہیں کر رہی ہیں؟

تبدیل قوم سے متعلق چند آیات کے ترجمے ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ "اور اگر وہ چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس بات پر قادر ہے (سورہ نساء آیت ۱۳۳)

ترجمہ "یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ کی کسی نعمت کو جس کا انعام کسی قوم پر کر چکا ہو نہیں بدلتا، جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں جو کچھ ان کے پاس ہے' بے شک اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (سورہ انفعال آیت ۵۳)

ترجمہ سو تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں (یعنی مال کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں حالانکہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے اور جو کوئی بخل کرتا ہے خود اپنے نفس سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں ہے' بلکہ تم سب اس کے محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ (سورہ محمد آیت ۳۸)

ترجمہ "اور ان (امتوں) میں سے آخرین (کے لئے بھی آپ ﷺ کو مبعوث کیا) جو ابھی ان (پہلوں) میں شامل نہیں ہوئے ہیں اور وہ (اللہ) بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ (سورہ جمعہ آیت ۳)

ترجمہ "اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے' سو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرتے ہوں گے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہو گا۔ وہ ایمان والوں پر مہربان ہوں گے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا

کرے اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔ (سورہ المائدہ آیت ۵۴)

ترجمہ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلے ایک دوسری قوم لے آئے گا اور تم اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

کیا نعوذ باللہ یہ بار بار دوسری قوم لانے کا ڈراوا "بھیڑیا آگیا" والی پکار ہے۔؟ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے ہم اور آپ کتنا ہی چاہیں مشیت ایزدی میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ ہاں اس کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے کہ عذاب میں پکڑے جانے والے لوگوں میں ہم شامل نہ ہوں اور جس قوم کو اللہ امت محمدی ﷺ کے دوسرے حصے کی شکل میں قوموں کی سربراہی کا اعزاز عطا فرمائے گا اس قوم کے ایمان لانے میں ہماری کوششیں بھی شامل ہوں بشرطیکہ کہ ہم یہ جان سکیں کہ اس خوش نصیبی کی مستحق کون سی قوم ہو سکتی ہے۔ سنت رسول سے تو ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے۔

دیکھئے ---- جب حضرت ابوذر غفاریؓ مکہ میں آں حضرت ﷺ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسی سرزمین کی طرف نشاندہی کی گئی ہے جہاں نخلستان ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ جگہ یثرب (مدینہ) کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ کیا تم میرا پیغام اپنی قوم میں پہنچاؤ گے؟ شاید کہ ان کو فائدہ بخشے اور تمہیں بھی اس کا اجر ملے گا۔"

معلوم ہوا کہ اگر پہلے سے یہ علم ہو جائے کہ فلاں قوم تبدیل ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی ہے تو ان میں کام کرنے میں سبقت کرنے والوں کا خصوصی اجر ہے۔

کیا ہم اللہ کے نزدیک مومن ہیں؟ آگے بڑھنے سے پہلے اپنے ذہن سے اس غلط فہمی کو نکال دیں کہ لاالہ الا اللہ صرف زبان سے کہہ دینے کے بعد جنت ہم پر واجب ہو گئی۔ یہی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم اگر دوزخ میں گئے بھی تو تھوڑی مدت کے لئے اور اپنی غلطیوں کی سزا کے بعد دائمی جنت میں آجائیں گے

ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ "تم ہو بہو پچھلی امتوں کی طرح ہو جاؤ گے صحابہ کرام نے پوچھا۔ پچھلی امتوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور کون۔ "کوئی نہیں جانتا کہ اللہ کے نزدیک ہم میں سے کتنے مومن ہیں اور کتنے منافق اور کتنے عملی کفر کرنے والے، منافق کی تعریف سمجھنے کے لئے حضرت عمرؓ کی مثال تازہ کریں۔

اپنے دور خلافت میں آپ ایک دن صاحب ستر رسول ﷺ حضرت خدیفہؓ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، چہرہ دھواں دھواں ہے۔ حضرت خدیفہؓ سے فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم کھا کر کہو جو میں پوچھوں گا سچ بتاؤ گے ؟" حضرت خدیفہ نے عرض کیا پوچھیں امیر المومنین! کہا۔ نہیں اللہ کی قسم کھاؤ کہ سچ سچ جواب دو گے " پھر انتہائی مضطرب انداز میں سوال کیا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے تمام منافقین کے نام بتائے تھے، سچ کہنا ان میں میرا نام تو نہیں ہے ؟"

اللہ اللہ! سیدنا عمرؓ بن خطاب جن کو دنیا میں جنت کی خوشخبری دی جا چکی تھی ان کو اپنے منافق ہونے کا خوف ہے فرماتے تھے

ایمان خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ دنیا کے تمام لوگ جنت میں داخل ہونے والے ہیں سوائے ایک شخص کے تو مجھے خوف رہے گا کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں اور اگر ایک شخص کے سوا تمام لوگ دوزخ میں ڈالے جا رہے ہوں تو میں اللہ کی رحمت سے یہ امید رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں"

ذرا سوچئے تو سہی ایمان اور نفاق کا معیار اگر اس کا دسواں حصہ بھی قرار دیا جائے تو امت مسلمہ میں کتنے مومن نکلیں گے اور منافقین کو قرآن نے جہنم کے سب سے نچلے درجے کی وعید سنائی ہے۔ (سورہ نساء)

علم و عرفان

نعت رسول مقبول ﷺ

شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ
یہ کوچۂ حبیب ﷺ ہے پلکوں سے چل کے آ

امت کے اولیاء بھی ادب سے ہیں دم بخود
یہ بارگاہ سرور ﷺ دیں ہے سنبھل کے آ

آتا ہے تو جو شہر رسالت ماب میں
حرص و ہوا کے دام سے باہر نکل کے آ

ماہ عرب کے آگے تری بات کیا بنے
اے ماہتاب روپ نہ ہر شب بدل کے آ

سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو
عشق نبی ﷺ کی آگ سے تائب پگھل کے آ

(حفیظ تائب)

سلام و پیام

(1) سالانہ اجتماع 1998ء ☆☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع انشاء اللہ تعالیٰ بروز جمعہ ' ہفتہ ' اتوار بتاریخ 24 ' 25 ' 26 اپریل مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ منعقد ہو گا۔ تمام برادران سلسلہ اہل ذوق احباب کے ہمراہ جوق در جوق شرکت فرمائیں۔

(2) امداد مساکین ☆☆ تمام خادمان حلقہ سے گذارش ہے کہ جو بھائی مالی امداد کے مستحق ہیں ان کے نام سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنی سفارشات کے ساتھ شیخ سلسلہ کو دے دیں۔

(3) سفر حج ☆☆ راولپنڈی کے بھائی غلام مرتضیٰ صاحب اور انکی اہلیہ ، گوجرانوالہ کے بھائی شیخ محمد اسلم صاحب اور انکی اہلیہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کا حج قبول فرمائے اور زائرین حرمین شریفین کی دعائیں منظور فرمائے (آمین)

(4) سانحہ ارتحال ☆☆ کراچی کے ہمارے بہت ہی پر خلوص بھائی جنہیں بانی سلسلہؒ سے بیعت کی سعادت حاصل تھی 27 فروری کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ تمام برادران سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں۔

(5) مجالس شیخ سلسلہ ☆☆ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کو متعارف کرانے کے لئے ماہ مارچ کے دوران آپ نے جو مجالس وعظ منعقد فرمائیں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

یکم مارچ بروز اتوار ماہوار اجتماع کے لئے مرکز تعمیر ملت تشریف لائے۔

15 مارچ بروز اتوار برادران کی دعوت پر سوہاوہ ساہیاں تشریف لے گئے

20 مارچ بروز جمعہ آپ گکھڑ گئے اور وہاں حلقہ ذکر کے بعد حاضرین کو مواعظ حسنہ سے نوازا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔